

16

صیغہ اللہ الرحمن الرحیم

سیاسی تقاریر کا یہ جلد ۱ میں دو غیر سیاسی
تقاریر ایک "اقبال کا پیغام آزادی"
دوسری "تقریر اقبال کا شاہین زادن"
بھی شریک ہے۔ زیر نظر کتاب میں
ان دو تقریروں کے علاوہ ۱۸۰۵ تقاریر
قدیم اخبارات و رسائل سے حاصل ہو
تعمیم کا صحیح مطلق لفظ "مذہب نہیں ملتا"
اور آ ۵ نیلور۔ میں اہم تقریریں ہیں
آ ۵ نیلور شہاب (۱۹۵۵ء) سے
دستیاب ہوئی۔ ~~۱۱~~ یہ تقریر نیلور
اور جواب صاحب کے راجہ و لعل
کے سلسلے میں واحد وسیلہ ہے۔

نیلور

بہادر یار جنگ

غیر ست ساسی تفریب



مرتبہ: - تذکرہ الدین احمد

سلسلہ مطبوعات بہادرپار جنگ ۱۶

بہادرپار جنگ ۲

غیر سیاسی تقاریر

..... (مترجمہ)

نذیر الدین احمد (عثمانیہ)

سابق کونسلر

پرنسپل ناشر

قائد ملت الیڈی

قیمت 4/-

طبع اول

تاریخ اشاعت

ناشر

ایک ہزار

جولائی ۱۹۸۰ء

قائد ملت اکیڈمی چیلہ پورہ
حیدرآباد۔ آئندہ ماہ پر دیش
محمد مظہر

کتابت

مسودات ٹائپ

طباعت

سرورق ڈیزائن

سرورق

قیمت

عبد القادر ٹائپسٹ (مرحوم)
اعجاز پرنٹنگ پریس
ایم۔ اے۔ غفار آرٹسٹ
انتخاب پریس
چار روپے

سوپر سائیکس کاپینگ سنٹر دیوال دیوڑمی حیدرآباد
حامی بک ڈپو محلی کملن حیدرآباد
الیاس ٹریڈرس شاہ علی بندہ حیدرآباد

انتساب

میں اس کاوش کو اپنے مخلص دوست اور بھائی
جناب سریندر پرساد بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی عثمانیہ پروپرائٹر
مسکس پورن ڈاس سریندر پرساد پروفیسر و جیڈر آباد
زردہ ورکس کے نام معنون کرتا ہوں۔

اس جگہ ہستی میں سریندر بھائی کی سراپا خلوص
سدا بہار شخصیت میری زندگی کے ہر نازک موڑ پر میری معاون
ورہنارمی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ :-
تاریکیوں سے راہ کی جب الجھنیں بڑھیں
ہر موڑ پر چراغ لیے آپ ہی ملے

نذیر الدین احمد

انتساب

میں اس کاوش کو اپنے مخلص دوست اور بھائی
جناب سریندر پرساد بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی عثمانیہ یونیورسٹی
مسکس یورن ڈاس سریندر پرساد پرفیوہرس و جید ریاد
زرزہ ورکس کے نام معنون کرتا ہوں۔

اس جگہ ہستی میں سریندر بھائی کی سراپا خلوص
سدا بہار شخصیت میری زندگی کے ہر نازک موڑ پر میری معاون
ورہنارمی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر
تاریکیوں سے راہ کی جب الجھنیں بڑھیں
ہر موڑ پر چراغ لیے آپ ہی ملے

نذیر الدین احمد

موضوعاتِ انقاریہ

۵۸	مادرِ دکن	۱۱	جوابی سیاست نامہ
۶۲	مذہب نہیں سکھاتا	۱۳	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۶۹	آہ شیکور	۱۹	دارالمطالعہ عام ناپلی
۷۷	مولوی احمد محی الدین	۲۱	تعلیم کا صحیح مطلع نظر
۸۶	مولوی احمد محی الدین	۲۵	اقبال کا شاہین زادہ
۹۱	ہوائی حلوں سے بچاؤ	۲۹	قائد ملت کی جوابی تقریر
۹۵	حضرت قائد ملت کی تقریر	۳۱	مدارِ اج کشن پر شاد
۱۰۱	اردو	۳۲	اقتتاحی تقریر
۱۰۳	اردو	۳۷	ملاعب القیوم
۱۰۸	فردِ خطابت	۴۱	اقبال کا پیامِ آزادی

ابتدائیہ

قائدیت اکیڈمی حیدرآباد کی جانب سے پہلی بار ۱۹۶۸ء میں (حضرت قائد ملت کی شہادت کے پورے ۲۶ برس بعد) نگارشات بہادر یار جنگ کے زیر عنوان پہلی کتاب (حضرت قائد ملت کے مضامین پر مشتمل) شائع ہوئی۔ اور پھر اس طرح یہ سلسلہ ۱۹۷۱ء تک خطوط، سفر نامہ، کلام، خطبات، ڈائری پر مشتمل شائع ہوتا رہا۔ اس طرح دس کتابیں منظر عام پر آئیں۔

حوصلہ شکن حالات نے مایوس کیا۔ قدم رک گئے، زاد راہ کے بغیر جس مسافر نے سفر کا آغاز کیا تھا وہ ۱۹۷۱ء میں سفر کی راہ میں تھک کر اور سفر کی صعوبتوں سے گھبرا کر ہمت ہار بیٹھا۔ منزل ابھی دور تھی وچ منزل ابھی ہے دور اور اٹھتے نہیں قدم

یہ صرف اور صرف قائد کا فیضان تھا کہ قائد کی صحبت کے فیضان سے فیض یاب حضرت قائد ملت کا شیدائی مولوی وحید الدین خاں صاحب بوزنی معتمد اعزازی بہادر یار جنگ اکیڈمی کراچی دسمبر ۱۹۷۸ء کو حیدرآباد تشریف لائے۔ جن کی نگاہیں سراغ آشنا اور جو جادہ منزل

کے راز دال تھے، ان کی آمد سے اندھیرے راستوں میں اجالہ ابھرنے لگا۔
 ان کے آثار پیدا ہوئے فضا پر نور ہوئی، منزل مقصود کے نشان نظر آنے لگے۔
 اب مجھے جو صلہ ملا اور میں نے پیچھے اس سفر کا آغاز کیا۔

گیارہویں کتاب جسے پندرہویں کتاب تک اور پچھتریں نظر
 سولہویں کتاب شائع ہوئی، اس طرح یہ سلسلہ پیچھے سے چل پڑا انشاء اللہ
 ۱۹۸۰ء میں مزید دو کتابیں بہادر یار جنگ کی مذہبی تقاریر اور سیاسی
 تقاریر قائد ملت شائع ہوں گے۔ ۱۹۸۱ء کا پروگرام بھی تیار ہے
 جس میں حضرت قائد ملت سے متعلقہ مواد پر مشتمل ۳۳ کتابیں شائع ہوں گی۔
 ہماری تمنا تو یہ ہے کہ قائد کا ایک ایک لفظ چھپے اور قائد پر بھی گئی
 ہر ہر تحریر شائع ہو۔ اس طرح فیض خاص فیض عام ہو جائے۔

قبل اس کے کہ زیر نظر کتاب کے بارے میں کچھ کہا جائے یہ بتا دینا
 ضروری ہے کہ اردو زبان کے فقیہ المثال خطیب کی تقاریر اور خطبات
 نواب صاحب کی زندگی میں شائع ہو چکے تھے۔

خطبات بہادر یار جنگ ۱۹۴۶ء میں جناب شاہد رازقی صاحب
 نے مرتب کی جسے دارالاشاعت سیاسیہ حیدرآباد نے شائع کیا۔

یہ کتاب پانچ خطبات پر مشتمل تھی یہ پانچوں خطبات نواب صاحب نے
 بحیثیت صدر مجلس اتحاد المسلمین مجلس کے پلیٹ فارم سے دیئے تھے۔

بعد ازاں ہم نے خطبات بہادر یار جنگ کے نام سے ایک مکمل کتاب شائع کی جس میں جملہ ۹ خطبات تھے (ہندو یہ کانفرنس کے دو خطبے میلاد کانفرنس کا ایک خطبہ اور جشن سینہ صد سالہ کا خطبہ)۔

”سیاسی تقاریر لسان الامت نواب بہادر یار جنگ“ کے زیر عنوان نومبر ۱۹۴۱ء میں پہلی بار دارالاشاعت سیاسیہ حیدرآباد سے سید علی شہر ہاتھی اور اقبال سلیم گاندھری نے شائع کی۔

مختصر خطبات بہادر یار جنگ تاریخ مجلس اتحاد المسلمین لسان الامت اور کئی ایک مفید معلوماتی کتابیں ان حضرات نے شائع کیں۔

(یہ ادارہ حیدرآباد میں ادبی، سیاسی، مذہبی شعور کے فروغ میں اپنی خدمات کے اعتبار سے قابل تقلید یادگار اشاعتی ادارہ رہا ہے۔ حضرت قائد ملت سید علی شہر ہاتھی اور اقبال سلیم گاندھری کے خدمات اور ان کی لگن سے بے حد متاثر تھے اور ان فوجوالوں کے کام کی بڑی قدر کرتے تھے۔)

سیاسی تقاریر میں حضرت قائد ملت کی ۲۲ تقاریر شریک اشاعت تھے جن میں دو ادبی، ایک مذہبی تقریر کے علاوہ دو خطبات صدائے شام تھے۔ ہم نے حضرت قائد ملت کی تقاریر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ (۱) خطبات (۲) غیر سیاسی تقاریر۔ (۳) مذہبی تقاریر۔ (۴) سیاسی تقاریر، خطبات

شائع ہو چکے ہیں۔
 زیر نظر کتاب غیر سیاسی تقاریر پر مشتمل ہے اس کتاب میں صرف
 تقاریر اقبال کا کیا آزادی اور (۲) اقبال کا شاہین زادہ سیاسی تقاریر
 سے لی گئی ہیں۔ بقیہ ساری تقاریر اخبارات و رسائل سے حاصل کر کے
 مرتب کی گئی ہیں اور اس طرح یہ تقاریر پہلی بار کتابی صورت میں
 شائع کی جا رہی ہیں۔

اس مجموعہ میں حضرت قائد ملت کی ۱۹ غیر سیاسی تقاریر
 شریک اشاعت ہیں جن میں (۱) آہ ٹیگور (۲) فنِ خطابت (۳)
 مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا (۴) ہمارا رجہ کشن پرشاد
 (۵) احمد محی الدین (۶) ملا عبد القیوم (۷) اردو (۸) مادرِ دکن
 (۹) علی گڑھ بوائز کے ڈنر کی تقریر ایسی تقاریر ہیں جو اگر امتداد زمانہ
 کی نظر ہو جائیں تو یہ ایک عظیم قومی نقصان ہوتا۔ ان تقاریر میں حضرت
 قائد ملت کی زندگی پر معنی روشنی ملتی ہے۔

جو تقاریر شریک کتاب ہیں ان میں اکثر اخباری رپورٹ
 پر مشتمل ہیں۔ قومی صحافت کی بد نصیبی ہے کہ یہ تقاریر بہت
 محترم ہیں اور مقرر کی زبان سے ادا کیے ہوئے جملوں اور مفہوم کے
 درمیان کا تین کی جہالت، اخباری سناسدوں کی کم علمی نے جگہ جگہ

مفہوم و معنی اور لطف بیان کا قتل عام کیا ہے۔ دو چھوٹی سی شالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) میں کا نفس کی افشاح کرتا ہوں۔

(۲) مجھے وہ دن یاد ہے جب کہ میں اور مولوی عبدالرحمن

ایڈیٹر وقت کے ساتھ بیٹھ کر بیٹھی بیٹھی پینیں

کوتا تھا۔

ایسے اور دیگر بے ربط جملوں کو حذف کرنا پڑا۔ خود نواب صاحب کی زندگی میں جو تقاریر اہتمام سے شائع کی گئیں تھیں ان کے بارے میں نواب صاحب نے میاں بشیر احمد ایڈیٹر مہایوں کو اپنے ۲۷ جولائی ۱۹۴۲ء کے خط میں لکھتے ہیں۔

”... سب میری فی البدیہہ تقریریں ہیں جن کا صحیح طور پر یا کم از کم اس زور بیان کے ساتھ مرتب کرنا کاتبوں کے لیے مشکل تھا۔“

جو کچھ تقاریر حاصل ہو گئیں انھیں شائع کیا جا رہا ہے

نواب صاحب کی مذہبی، سیاسی اور غیر سیاسی تقریریں دو سو

تقریریں ایسی ہیں جنھیں حاصل کرنے کی جدوجہد جاری ہے جو ہی

یہ حاصل ہو جائیں انشاء اللہ شائع کیا جائے گا بڑی مشکل اس دور

کے اخبارات و رسائل کی فراہمی ہے۔

قاری کو تقریر کے پس منظر سے واقف رکھنے کے لیے
ہر تقریر سے پہلے ایک نوٹ لکھ دیا گیا ہے۔

ہمیں پوری امید ہے کہ قائد ملت کے شہدائی ہماری اس
حقیر خدمت کو قبول فرمائیں گے۔

میرا محمد میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تو
تیرا تجھ کو سونپے کیا لاگت ہے مور
(بکیر داس)

(میرا محمد میں کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ تیرا ہے
اور تیرا تجھ کو دے دینے میں میرا کیا باتا ہے)

نذیر الدین احمد سابق میونسپل کونسلر

چیلہ پورہ — حیدر آباد ۲۱

(انڈیا)

جوانی سپاسنامہ

۱۶ فروری ۱۹۲۶ء کو بہادر ہاؤس میں منجانب ہمدریان
محاکات متوسط و میراجو سپاسنامہ نواب صاحب کی خدمت میں
پیش کیا گیا تھا جو نواب صاحب کی تقریر کی تحفہ روداد اکولہ (برار)
کے ہفتہ دار اخبار البرہان مورخہ یکم مارچ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی

برادران ملت۔ میں آپ کے جذبہ اخلاص کا احترام کرتا ہوں
اور آپ سے مل کر بہت خوش ہوں۔ آپ نے جو سپاسنامہ پیش کیا میں
آپ کا بے شک گزار ہوں۔ ہمدریہ کا فخر نس کی صدارت کے
متعلق مجھے مبارکباد دی گئی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ
ضرور کہوں گا کہ یہ اہم بار جو مسکے زمرہ دیا گیا ہے میں اس کے اٹھانے
کا خود کو اہل نہیں سمجھتا۔ لیکن خدا کے فضل اور آپ لوگوں کی عنایت سے
کوشش کروں گا کہ اس بار غلطی کو اٹھا سکوں۔

انجمن ہمدریہ حیدرآباد دکن جو آج تک اپنی قوم کی خدمت
کر رہی ہے قابل تالش ہے۔ یہ انجمن بہت اچھے کام میں مصروف

ہے ہر ہندوی کا فرض ہے کہ وہ اس کا ہاتھ بٹائے۔ مجھنا چیز کو انہوں
نے جو صدر منتخب کیا ہے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

جاگیرداران برار کے متعلق آپ نے جو سپاسنامہ میں ذکر
کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ وہ میرے حدود عمل سے باہر ہے مگر میں
ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، آپ کی بہبودی کے لیے
ہر ممکن طریقہ سے کوشش کی جائے گی۔ ساکنان برار کا گھر پر اور ملیر
پر پورا حق ہے میں ان کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

برادران ملت۔ ہندوی ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔
قرونِ اولیٰ میں ہندوی مسلم کامل کہلاتا تھا۔ منتخب تاریخ بدایونی
میں مولانا عبدالقادر بدایونی مرحوم نے ہندویوں کی بہت تعریف کی
ہے مولانا ابوالکلام آزاد تذکرہ نامی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہندوی فرشتہٴ خصلت بلکہ اعمال کے لحاظ سے فرشتہ
کہلانے کے مستحق تھے۔ مگر افسوس کہ اب وہ حالت نہ رہی کیا اب
بھی وقت نہیں آیا کہ ہندوی بیدار ہوں۔ اپنی حالت پر غور کریں سچے
ہندوی بن کر دنیا میں مثال پیش کریں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے
ہادی جو ہندی کا لقب لیے ہوئے سامنے آئے تمام دنیا میں دعویٰ
کرتے ہیں اور فرماتے ہیں میں خدا کا بندہ ہوں اور حضرت محمد کا پیرو

ہوں۔ دنیا میں ان کی اور ان کے پیروں کی کیا حالت ہوئی ہر شخص
 پر روشن ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ماننے والے دنیا کے لیے
 ایک مثال قائم کر گئے۔ میں اس وقت آپ سے خوش ہوں کاجب
 مجھے اس صوبہ کے ہمدوی سچے ہمدوی بن کر بتائیں۔ آخر میں میں
 دوبارہ اپنے ہمدوی بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کے
 محبت سے کئے جذبات کا احترام کرتا ہوں۔

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

علی گڑھ اولڈ لائبریری میں کئی نواب صاحب کی تقریر کو مسخ کر کے
 "حیدر آباد پریس سروس" نے غلط طور پر ٹنگ شائع کر دی تھی۔
 محمد احسن صاحب علیگڑھ رکن مقننہ نے نواب صاحب کی
 تقریر کو جو انہوں نے اپنے طور پر مرتب کی تھی نواب صاحب
 کی تصدیق کے بعد اخبارات میں شائع فرمائی۔ یہ تقریر ۱۹۲۹ء
 کے رمہب رک میں شائع ہوئی۔

میں مولوی ابوالحسن سید علی صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں
 نے اپنے جہان کی حیثیت سے مجھے اس یادگار اجتماع میں شرکت کی
 دعوت دی۔ مجھے دو سببیں مسلم یونیورسٹی سے اتنا ہی قریب کر دی
 ہیں جتنا کوئی دہاں کا تعلیم یافتہ ہو سکتا ہے ایک نسبت تو اسلامی
 ہے جس کی وجہ سے ہر مسلم کو اس یونیورسٹی سے محبت ہونی چاہیے۔
 دوسری نسبت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت ہندوستان علی اس کے چانسلر
 ہیں اور اس طرح مسلم یونیورسٹی حیدر آباد کی ہے اور ہر حیدر آبادی

اس سے روحانی تعلق رکھتا ہے۔

اس اجتماع سے فائدہ اٹھا کر میکے دوست مولوی لیاقت اللہ خاں صاحب نے ملٹری کالج کی طرف جو اشارہ کیا ہے میں اس سے بالکل متفق ہوں یہ امر مسلم ہے کہ ہر مسلمان فطرتاً ہی ہوتا ہے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ میں ایک عجیب اثر ہے جو اس کے پڑھتے ہی انسان کی نگاہ تمام طاقتوں سے ہٹ کر ایک مرکز الوہیت پر جم جاتی ہے اس میں ایک ایسی جرات اخلاقی پیدا ہو جاتی ہے جس کو کوئی دوسری تعلیم پیدا نہیں کر سکتی۔ مسلمان میں روح عسکریت آج بھی موجود ہے لیکن مواقع کا فقدان اور تربیت کی کمی اس کو زائل کر رہی ہے سخت ضرورت ہے کہ ایک ایسا کارخانہ ملٹری کالج کے نام سے قائم کیا جائے جس میں ان بہروں کی ترائش ہو اور جلا دیکر ان کو دنیا کی تکمال کے قابل بنایا جاسکے تاکہ ان کی جوت سے دنیا والوں کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر چمک اٹھیں۔ میں حیدرآباد کے مسلمانوں کی طرف سے یہ یقین دلانا ہوں کہ اگر ایسی تحریک شروع کی گئی تو حیدرآباد انشاء اللہ حسب روایات اس کی امداد اور سرپرستی میں سب سے آگے رہے گا۔

کہا گیا ہے کہ علی گڑھ اپنے طلباء میں ایک خاص کلچر پیدا کرتا ہے

جو کسی اور درسگاہ میں نہیں پایا جاتا اور ایک معزز مقرر نے یہ بھی فرمایا کہ علی گڑھ کے طالب علموں میں وہ خصوصیت ہوتی ہے جو انگلستان کے کسی سکول میں پیدا ہوسکتی ہے۔

میں نے بہت غور سے علی گڑھ کے تعلیم یافتہ اصحاب کا مطالعہ کیا ہے اور مجھ کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ میں ان میں اور کسی دوسری یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ میں کوئی فرق نہیں دیکھتا اگر وہ اقلیت ہی ہے کہ ان کی تربیت انگلستان کی کسی بہترین تربیت گاہ کے برابر ہوتی ہے تو اس بات نے مجھ کو یونیورسٹی کی طرف سے مایوس کر دیا میں تو مسلم یونیورسٹی کو دنیا کی اور تمام درسگاہوں سے ممتاز اور اس درسگاہ کا پر تو دیکھنا چاہتا ہوں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے مدینہ کی چٹوس کی بنی ہوئی مسجد میں قائم ہوئی تھی اور جس کے تعلیم پانے والوں نے بیس برس کے اندر دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا اور عرب کے ہادیہ گردوں کو دنیا کا معلم اخلاق و سیاست داں بنا دیا تھا اور اپنی طاقت و جبروت سے گنگا اور جمنہ کی لہروں کو بحر الکاہل کی موجوں سے ملا دیا تھا اگر مسلم یونیورسٹی اس کے کچھ کو پیدا نہیں کر رہی ہے اور ان جذبات کی تربیت نہیں کر رہی ہے تو میرے نزدیک اس میں اور ہندوستان کی

کوئی اور یونیورسٹی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بہر حال مجھے توقع ہے کہ طلباء و قلم اس کی طرف جلد توجہ کریں گے۔ علی گڑھ کے بعض تعلیم یافتگان نے کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کی سر زمین کو اپنے کارناموں سے روشن کر دیا مثلاً مولانا محمد علی مرحوم یا مولانا حسرت موہانی وغیرہ لیکن میں اس کا کڑی ٹیٹ علی گڑھ سے زیادہ زمانہ کو دیتا ہوں جس نے ان کے جوہر قابل کو آمادہ عمل کر دیا تھا کسی تربیت گاہ کے نتائج تربیت ان کے تربیت یافتگان کی اکثریت میں نمایاں ہونے چاہئیں۔

”نواب محمد الہی یار جنگ بہادر کے ذاتی خیالات کو ممکن ہے میں ان کی تشریح کا احترام کرتے ہوئے ان کو قابل معافی تصور کروں لیکن اگر یہ علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا نقطہ بھگاہ ہے تو مجھے اس پر تفصیل سے بحث کرنی پڑے گی۔ چاروں طرف سے غمور ہوا کہ یہ ہرگز ہمارے خیالات نہیں ہیں (اس پر فاضل مقرر نے اظہار اطمینان فرماتے ہوئے کہا) ”اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی حقیقت و محبت میں کسی اور کو اپنا مثل تسلیم نہیں کرتا اور مسلمانانِ دکن کی نسبت یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان سے اعلیٰ حضرت کی محبت کو الگ سمجھنا جان کو جسم سے الگ سمجھنے کے برابر ہے لیکن

یہ امر مسلم ہے کہ اعلیٰ حضرت کی طاقت و قوت ان کے تحت و تاج کی حفاظت اور ان کے اقتدار و اختیار کی بقاء کا انحصار مسلم جماعت کی قوت و طاقت پر ہے اگر کوئی دستور حیدر آباد میں مسلم جماعت کی حیثیت گھٹا رہا ہے تو روس کے الفاظ میں اعلیٰ حضرت کے اقتدار اور اختیار اور تحت و تاج کے لیے بلا واسطہ نہ سہی بالواسطہ مفروضہ نقصان دہ ہے اور جس چیز سے اعلیٰ حضرت کے اقتدار شاہی کے لیے اندیشہ ہو مسلمان اس کو ہرگز پسند نہیں کر سکتے اور یہ جاننے کے باوجود کہ کونسل کی سفارش پر خود حضرت بندگان عالی نے اس کو شرف منکوری عطا فرمایا ہے اس کی مخالفت اس وقت تک کریں گے جب تک یا تو اس سے یہ خرابی اُٹھ کر رفع ہو جائے یا پھر وہ جاری ہی نہ ہو سکے اگر اس کے سلسلہ میں ان کو خود اپنے آقا و مالک کی خفگی اور عتاب کو برداشت کرنا پڑے تو وہ اس خفگی اور عتاب کو اپنے لیے رحمت تصور کرتے ہوئے اشارے سے نہیں دریغ نہ کریں گے یہ حکومت کا کام ہے کہ وہ غور کرے کہ کیا وہ مسلمانوں کو ناخوش کر کے یا ان کا تعاون نہ کر کے آپ کو کامیابی کے ساتھ چلا سکتی ہے۔

دارالمطالعہ عام نامپلی

حضرت قائد ملت کی اکثر تقاریر کی روئے ادا خبری نمائندوں کی کم علمی و کم بختی اور کاتبین کی جمالت کی غماری کرتی ہیں۔ ایسے عظیم خلیب کی تقریروں کی اکثر روئے ادیں جاہل و کم علم اخباری نمائندوں کی کم علمی کے باعث مقرر کے ادا کیے ہوئے جملوں اور مفہوم سے غاری ہیں۔ اس طرح تقریر جگہ جگہ بے ربط ہو گئی ہے ذیل کی تقریر بھی ان میں سے ایک ہے۔ یہ تقریر حضرت قائد ملت نے دارالمطالعہ عام نامپلی میں فرمائی تھی۔ (بحوالہ رہبر وطن ۱۳ جولائی ۱۹۴۹ء)

دو سال قبل جب کہ میں نامپلی کے محلے میں گشت کر رہا تھا اور اسی سلسلہ میں میں یہاں کے نوجوانوں سے درخواست کیا تھا کہ وہ ایک مرکز جمع ہو جائیں چنانچہ میں نے سنا کہ کئی جگہ ایسے مطالعہ گھر قائم ہونے والے تھے لیکن وہ صرف ہوائی قلعے بناتے رہے مبارک ہیں وہ نوجوان جو اس دارالمطالعہ کو قائم کیے اور چلانے کی مختلف تدابیر سوچ رہے ہیں میں امید کرتا ہوں کہ ناظم ستا

امور نہ بھی کی ہمدردیاں ان نوجوانوں کے ساتھ رہیں گی۔
 دارالمطالعہ لیا نہیں گیا بلکہ اس کو سماخ خانہ دیا گیا ہے اور
 ناظم صاحب ایک بزرگ کی طرح نگرانی کریں گے۔

ایسے اخبار نہ پڑھے جائیں جو ہم مسلمانوں کی فطرت پرستانی
 کر رہے ہیں چاہے وہ ہرچن ہو کر اینکل ہو یا حیدر آباد کا پیام
 ہو۔ میں جن اخبارات کو پسند کرتا ہوں ان میں سے ہر ہفتہ
 صبح دکن وقت ہے اور میں آپ لوگوں سے درخواست کرتا
 ہوں کہ ان میں سے ایک اخبار بھی پڑھنے تک اپنی نیند کو حرام
 تصور کریں۔

تعلیم کا صحیح مطمح نظر

یہ تقریر نواب صاحب نے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس (انجمن ترقی تعلیم حیدرآباد دکن) کے اجلاس دوم ۱۹۳۸ء میں فرمائی تھی جو انجمن ترقی تعلیم حیدرآباد کی شائع شدہ روئے اویں تھی۔

محترم قائد و جناب صدر کانفرنس۔
حضرات ساری تقریف اس عالم مطلق کے لیے سزاوار ہے جس نے کائنات میں علم کو پیدا کیا اور جس کے پر تو علم سے کائنات منور ہے۔

برادران۔ ان دنوں جب کہ عالم کتابوں کے انہار سے ڈھکا جاتا ہے اور علم پٹری پٹری ڈگریوں کی وجہ سے شہرت حاصل کرتا ہے تو مجھ جیسے آدمی کو جو معمولی طالب علم کی حیثیت سے زندہ گی بسر کرتا ہے اس جمع میں حاضر ہونے اور جس عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع دیا گیا ہے وہ میرے لیے باعث استعجاب اور باعث فخر ہے مجھ سے خواہش کی گئی ہے یا حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ حضرات کو

مخاطب کروں۔ ایک ایسے مجمع کو مخاطب کرنا کہ جہاں نہ صرف پبلک جمع ہو بلکہ جہاں مجھ سے قابل افراد موجود ہوں اپنی ناقابلیت کا اظہار کرنا ہے لیکن اس کی ذمہ دار دراصل کانفرنس ہے۔

حضرات انسان کائنات ارض پر شرف و برتری کی تلاش کرتا ہے۔ آپ میں سے کون ہے جس نے تلاش نہ کی ہے۔ لیکن تلاش کے ذرائع مختلف ہیں میں نے اس کی تلاش اس کتاب مقدس کی روشنی میں حاصل کی ہے جو تیرہ سو برس سے انسان کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔ اس کتاب میں مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز آدمی کے لیے باعث عزت ہے تو وہ علم اور صرف علم ہے۔ انسان کو کائنات ارض میں جو افتخار حاصل ہوتا ہے تو وہ علم ہی کی بدولت ہے۔

حضرات میرا خیال یہ ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو اور مقام ایسا نہیں ہے کہ جہاں پر علم حاصل کرنے کے لیے مجمع طور پر رہبری کی ضرورت نہ ہو اور صحیح رہبری بغیر مطمع نظر کے عمل میں نہیں آ سکتی۔ خود روزمرہ کاروبار میں ہمیں صحیح رہبری کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ کونسا موسم زمین پر مل چلائے کے لیے بہتر ہے اور کس وقت اس کو پانی دینا چاہیے اور کس قسم کے

بچ کس قسم کے درخت پیدا کر سکتے ہیں اور کس بیماری کا علاج کس طرح کیا جاتا ہے۔

آج کل میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک چھوٹی جماعت میں پڑھنے والے سے لیکر بڑی جماعت میں پڑھنے والے تک آپ پوچھیں کہ اس کے تعلیم پانے کا کیا مقصد ہے تو آپ اس سے ایک ہی جواب پائیں گے کہ وہ علم روزگار حاصل کرنے کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

حیدرآباد میں تعلیم کا مطمع نظر کیا رکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جلب منفعت اور کسب معیشت وہ سب چیزیں جن کو انسان حاصل کرنا چاہتے ہیں صرف تعلیم ہی کی وجہ سے حاصل کر سکتا ہے لیکن علم کو قص اس سے حاصل کرنا کہ اس کے ذریعہ چند ٹکے کمائیں گے کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ علم کا صحیح مطمع نظر ہو سکتا ہے۔ تعلیم پانے کا بلند ضمیمہ نشتر یہ ہے کہ آدمی اس کو صرف کسب معیشت یا جلب منفعت کی بجائے تعلیم کو تعلیم کی غرض سے حاصل کرے۔

تعلیم کا صحیح مطمع نظر بھی یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو بری چیزوں سے بچائیں اور بری صحبتوں سے اپنے آپ

کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں اور بہتر صحبت حاصل
 کرنے کی کوشش کریں جس سے ہم اپنے آپ کو اس دنیا
 میں بہتر ہمسایہ اور بہتر باب اور بہتر بھائی ٹھکانے کے مستحق
 ہوں فی الحقیقت ہمارا کوئی صحیح مطیع نظر ہو سکتا ہے تو یہی
 ہو سکتا ہے کہ ہم ان برائیوں سے بچیں
 جو اس دنیا میں آنے کے بعد بطور ابتلاء کے ہم پر محیط
 ہو جاتی ہیں۔

اقبال کا شاہین زادہ

۲۱ اپریل ۱۹۳۹ء کو بزم اقبال حیدرآباد کے زیر اہتمام جشن یوم اقبال
زمر محل ٹاکنز میں بڑے اہتمام سے منایا گیا تھا۔ یہ عجیب حسیں
اتفاق ہے کہ حضرت قائد ملت کی یہ تقریر جو انھوں نے اقبال کا شاہین
زادہ کے زیر عنوان فرمائی ایک سال کی زباں بندی کے
بعد کا پہلی تقریر ہے۔

میرے نالے فضا کے حیدرآباد سے کچھ اس طرح نا آشنا ہو چکے تھے
کہ مجھے یاد بھی نہ تھا کہ آج تقریر کرنی ہے۔ آج سے ڈیڑھ سال قبل
علامہ اقبال کی زندگی میں اقبال کے آٹھ مونس کو پیش کر کے خود ان
سے داد حاصل کی تھی اور آج ان نے اقبال کے بعد مختصر اپنا تحفہ عقیدت
ان کی سہمی اور ابدی دعاؤں کی امید پر پیش کر رہا ہوں۔
اقبال کے پیام کا سب سے نمایاں حصہ مسلمان کی خودی کو بیدار
کرنا ہے۔ اپنے پورے کلام میں انھوں نے اسی چیز کو بہ انداز مختلف
پیش کیا ہے اس کے لیے انھوں نے جو تشبیہیں اختیار کیں ان میں سب سے

زیادہ نمایاں شاہین اور شاہین زادہ کی تشبیہ ہے وہ جانا چاہتے ہیں کہ مسلمان کمر گس غنا کی نہیں بلکہ شاہین بلند پرواز و خضاء پیما ہے اقبال کے کلام کا رنگ شہد بازی سکھاتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ مسلمان کا مقام صحبت مرغ چمن نہیں بلکہ وسعت ارض و سما ہے۔

اس سلسلہ میں انھوں نے فطرت انسانی کے بہت سے پوشیدہ گوشوں کو نمایاں کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان جب محنت و مشقت کے بغیر رزق حاصل کرنے لگتا ہے اور اس کا عادی بن جاتا ہے تو اس کی بہت سی ایسی صلاحیتیں اس سے چھین جاتی ہیں جن پر اس کی با عزت انفرادی و اجتماعی زندگی کا مدار ہے۔ ان انسانی صلاحیتوں میں سب سے ضروری اور اہم صلاحیت انسان کی شجاعت اور اس کا جذبہ غریب نفس ہے۔ اور زندگی خیر کی کا اثر سب سے زیادہ اس صلاحیت پر پڑتا ہے اور شجاعت و بلند ہمتی جن و پستی خیال سے بدل جاتی ہے اسی کو اقبال نے اس شعر میں بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر شاہین بچوں کو بھی پابند قفس کر کے عطاء کا امیدوار بنا دو تو چند روز میں بدشیر کے

پرواز ہے دونوں کی اسی دہریں لیکن
شاہین کا مقام اور ہے کرگس کا مقام او

اقبال کے نزدیک علم و فراست اپنی تمام خوبیوں کے
باوجود اس وقت تک بے قیمت ہیں جب تک ان کا حامل تیغ
وسپر سے بھی آراستہ نہ ہو ان کے نزدیک شاہین زادگی کی شرط
اول مرد غازی کی تیغ و سپر سے موافقت ہے۔ فرماتے ہیں کہ:
من آن علم و فراست با پر کا ہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگمانہ سازم مرد غازی را

کل جیدر آباد یونانی طبی کالج کے عشاء میں

قائد ملت کی جوابی تقریر

کل جیدر آباد یونانی طبی کالج کے عشاء میں نواب
مہادریار جنگ نے مہانوں کی جانب سے جوابی تقریر فرمائی تھی
تقریر کی مختصر اخباری روڈ یاد جو اخبارات میں شائع ہوئی ہے یہ
ناظرین ہے۔ (اخبار رہبر دکن مورخہ ۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

یونان کا فلسفہ نام کامرا تھا لیکن یونان کی طب نے کامیابی
حاصل کی۔ فلسفہ یونان تو مٹ گیا لیکن یونانی طب باقی رہی۔ شاید مٹ
جانے لگا اس کو اب بہت اچھا معالج مل گیا ہے۔ وہ معالج ہمارے

بادشاہ ذیجاہ حضرت سربندگان عالی کی ذات اقدس ہے۔ جن کی
 سرپرستی میں آجانے کے بعد اس کو بقا و استحکام کا زبردست ہمارا
 مل گیا ہے اب طب یونانی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا ساحل مراد تک
 پہنچنا بہت آسان ہو گیا۔ قابل مبارکباد میں ارباب طبّی کا نفس کہ
 جنہوں نے کل جہد را باد یونانی طبّی کا نفس منقہ کر کے لیا بہت
 مشرقی کی بقا و کاراستہ پر کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ ضرورت
 ہے کہ جدید تحقیقات عمل میں لائی جائیں اور طب یونانی کو محققانہ
 شکل میں پیش کیا جائے

ہمارا جہ کشن پرشاد

۳۰ مئی ۱۹۶۰ء کو ایک عظیم الشان اجتماع میں ہمارا جہ کشن پرشاد شاد میں السلطنت کی تعزیت میں منعقد ہوا تھا۔ نواب صاحب نے اس موقع پر جو تقریر فرمائی وہ بہر گنا میں یکم جون ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔

حیدرآباد میں یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ ہم رنج و ملال کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ کسی کو بھی موت سے انکار نہیں۔ حیات اور موت کا پیش فیہ ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ ہمارا جہ کے ساتھ میرے جو تعلقات تھے۔ انہیں کے گود میں پلا ہوں۔ جب سے شعور آیا اور اشیاء کے پہچاننے کی سمجھ پیدا ہوئی ہمارا جہ بہادر کی شفقت سے ان کی برکت کو حاصل کرتے ہوئے کبھی بھی والد بزرگوار کا خیال تک پیدا نہیں ہوا۔ ان کا جملہ بطور خاص عمر بھر یاد رہے گا۔ جب والد قبلہ کا انتقال ہوا تو انھوں نے فرمایا تھا۔

”بہادر خاں۔ نصیب یا اور جنگ کا انتقال نہیں
ہوا۔ کشن پر شاد مگر کیا“

انسانوں کی موت صفت کی موت ہوتی ہے۔ جن چیزوں کا
ہم غم کرتے ہیں ان سے یہ چیز اور یہ غم بڑھا ہوا ہے اس لیے کہ ہمارا
بہادر کا انتقال اور ان کی موت ایک شعبہ حیات کے کمزور کرنے کا
باعث بنی بلکہ مختلف شعبہ اس کی وجہ سے گہن میں آگئے ہیں۔

ایسا جامع الکمال انسان جو انسانیت کی کامل تصویر تھی شاید
ہی کبھی مرا ہو۔ آج غریب بے کس ہو گئے اور ان کا دانا اہل بسا۔
یہ سچ ہے ہمارا جہ نہیں مرے بلکہ ہزاروں غریب مر گئے جن کی نظریں
ہمارا جہ کی آمد کی ہمیشہ منتظر رہتی تھیں۔ ہمارا جہ بہادر کی موت ایک
ادیب، ایک شاعر اور ایک عالم کی موت ہے ان کی صحبت میں علم و
کافہ رہتا تھا وہ وقت یاد آتا ہے تو پتھر سا دل بھی رو دیتا ہے
جب کہ وہ صدر اعظم نہیں ہوئے تھے ان کی صحبت میں رات دن
کٹتے تھے اور انہیں کی صحبت کا لسانی اثر ہے کہ میں
اس قابل بنا کہ آج ملک اور آپ کی خدمت کر سکوں۔ ان کی موت

ایک سیاست کی موت ہے۔ ایک چیز جو سب سے زیادہ ان کے
لیے باعث فخر ہو سکتی ہے وہ یہ کہ صرف آنجہانی دکن ہی کے نہیں

بلکہ ہندوستان کے بھی وزیر تھے۔ وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ یہ عربی لفظ وزیر ہے جس کے معنی بوجھ اٹھانے کے ہیں۔ انھوں نے کبھی جلالت الملک پر کسی ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا۔ وہ اس کو کبھی نہیں روار کہتے تھے کہ بادشاہ کے اقتدار میں کسی چیز کی کمی ہو۔ ان کے خواب اور وہم کے کسی گوشہ میں یہ تصور نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بادشاہ کے اقتدارات منتقل ہوں یا ان میں کمی کی ہو۔ کاش جیدر آباد ان کے نقش قدم پر چلتا، کاش ان کی برقی رو سے مستفید ہوتا جو ہندو مسلم اتحاد کے بیدار کرنے کے لیے تڑپ رہی تھی۔ اگر یہ حاصل ہو جائے تو ہماری تمناؤں کا جیدر آباد اور ہماری آرزوں کا جیدر آباد ہو گا۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

افتتاحی تقریر

طلبہ کانفرنس صوبہ میدک کا افتتاح کرتے ہوئے حضرت
قائم ملت نے جو تقریر فرمائی تھی اس کی مختصر رپورٹ اخبارات میں
شائع ہوئی تھی اسی کو انعام سب سے بھی شائع کیا تھا۔
(سب رس ۲۵۶، جلد ۳، باب ۱، اگست ۱۹۴۰ء)

برادران عزیز مکرم! جب آپ نے طلبہ کانفرنس کے افتتاح
کی خواہش کی تو میں نے خوشی سے قبول کیا۔ آپ مجھے ایک طالب علم
کے سوا کچھ نہ سمجھیں۔ ہم سب طالب علم ہیں ہر علم والے سے دوسرا علم
والا زیادہ ہے۔ میں ہمیشہ ایک چیز کہتا رہا ہوں۔ آج پھر واضح کرنا
چاہتا ہوں۔ امام فخر الدین رازویؒ کی لوح مزار پر ایک قطعہ لکھا تھا جس
سے میرا دل گھٹکتا ہے۔

ہرگز دل من ز علم محروم نہ شد
کم ماند ز اسرار کہ مغموم نہ شد
ہفتاد و دو سال درس خواندم شب و روز
معلوم شد کہ هیچ معلوم نہ شد

اس جلسے کی صدارت میرا ایک معیتجا کرے گا۔ ان کے والد ظہور الحسن (اللہ ان کو تقرب اعلیٰ عطا کرے) نے میرے قلب میں ایک دہکتی آگ روشن کر دی۔ وہ ایک شعلہ محتاج مستم شعلہ۔ ایک طوفان متحاصر پاؤں تک طوفان۔ اتنا بے قرار طینت آدمی شاید کسی نے اپنی عمر میں دیکھا ہو۔ اگر وہ رہتا تو اس کا نام سرفہرست رہتا۔ مرقوم ظہور الحسن مدنی نواب کا جب انتقال ہوا تو یہ بالکل بچے تھے۔ آج طلبہ کانفرنس کی صدارت وہ لڑکا کر رہا ہے جس کے باپ نے طلب علم میں اپنی جان دیدی وہ یورپ جاتے ہوئے اجمیشہ شریف میں بنگلہ سے گر کر شہید ہوئے۔ آج ان کے فرزند کو اس مقام پر صدارت کرتے دیکھ کر مجھے یقین ہے کہ اس کے اندر مدنی نواب کا قلب کام کر رہا ہے۔ خدا کرے وہ اپنے نانا نواب رفعت یار جنگ مرحوم کی تربیت کا بہترین نمونہ ثابت ہوں۔

میں آپ سب کو ایسے اچھے صدر کے ملنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ ان کا خطبہ صدارت ہم سب کے لیے مفید ثابت ہو گا۔ میں ان سے صدارت کی درخواست کرتا ہوں۔ ہمارا مستقبل تمام تر طلبہ پر منحصر ہے۔ یہ ایک سوال میرے سامنے ہمیشہ پیش نظر رہا ہے

جس کو آج کے صدر بھی خطبہ میں پیش کریں گے۔
 میں ان طالب علموں کو دیکھ کر پُر خوش ہوتا ہوں
 کہ وہ ہماری مجلس میں طالب علموں کی حیثیت ہی سے
 شریک ہوتے ہیں۔

میں بہ مسرت تمام اور خدا کا نام لے کر اس کا نفرس
 کا افتتاح کرتا ہوں۔

ملا عبد القیوم

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو مسجد چوک میں مسلمانان حیدر آباد کا
 عظیم الشان اجتماع مجلس ترقی تعلیم اسلامی کی جانب سے
 حضرت قائد ملت کی زیر صدارت جلسہ یادگار ملا عبد القیوم کے
 سالانہ جلسے کا انعقاد عمل میں آیا۔ حضرت قائد ملت نواب بہادر
 یار جنگ بہادر نے صدارتی تقریر فرمائی۔ رہبر دکن ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۱ء

جلسہ عجلت میں ہوا ہے تاہم جلسہ کی کامیابی کے لیے جواہر لال
 نہرو کی پیشکش ہے۔ قوم نے مخدوم کی یاد دہانی چاہی مناسبتاً
 آج سے (۱۳۵) سال پہلے ملک میں جی حضوری کا دور تھا۔ بولنے سے
 پہلے سوچ لینا ضروری تھا۔ آزادی گستاخی کے مترادف تھی۔ ایسے
 وقت ملا عبد القیوم نے جس جرات اور محبت کے ساتھ سرکاری اور
 قومی خدمات انجام دیے اپنی آپ نظیر میں سر وقار الامراء کی صدارت
 میں باغ عام میں ایک جلسہ ہوا تھا۔ ڈاکٹر ہارش آب رزم کے کنوینس
 کو بند کرنے کے نسبت ایک درخواست سلطان ترکی کی خدمت میں

بھجوانا چاہتا تھا مگر ملا صاحب نے اسی وقت ڈاکٹر صاحب کے
 خیالات کی زبردست تردید کی۔ تعلقہ گنگاوتی میں طاغون کے موقع
 پر حکومت کی تائید کی بجائے رعایا کی تائید کی۔ یہاں تک کہ آپ خدمت
 سے وظیفہ پر علیحدہ ہو گئے۔ غور کیجئے ملا صاحب میں بلند ہمتی حق گوئی
 اور جرات کے کیسے محمود جذبات موجود تھے، اور کیسے رعایا پر حکمرانی کی
 اگر آج بھی ایسے حاکم نظر آئیں تو ملک سے یہ تمام بے صفی پیدا ہو گئی ہے
 وہ سب جاتی رہے گی۔ کہا جاتا ہے کہ ملا صاحب قوم پرست تھے اور حقیقتاً
 ہے کہ خدمت خلق میں کسی فرقہ کی کوئی خصوصیت نہیں میں سب سے بڑا
 حق پرست ہوں۔ میرا خدا رب العالمین اور میرا رسول رحمت العالمین
 اور میں خادم العالمین ہوں۔ محتاج کی دستگیر تھی خدمت ہے اور اس
 خدمت میں جس طرح مسلمان شامل ہے اسی طرح ہندو بھی۔ لیکن
 آج قوم پرستی کے جو معنی لیے جا رہے ہیں ویسا قوم پرست میں نہیں
 ہوں اور اگر آج بھی ملا عبد القیوم ہوتے تو وہ کبھی بھی قوم پرست
 نہ رہے ہوتے۔

کی تعلیم و توقیر ہوتی رہتی ہے۔

ملا عبد القیوم کا شمار حق سے متحابین میں خدمتِ خلق اور جذبہ حق گوئی موجود تھا یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حیدرآباد میں خدمتِ خلق کی مشعل پیش کی اگر ایسے ملا پیدا ہو جائیں تو حیدرآباد کی کایا پلٹ جائے۔

مجھے ان کے قابلِ فخر داماد ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب جو پاکستان کی تحریک کے بانی ہیں اور مولوی حسن عبد المنعم صاحب اور مولوی عبد الباسط صاحب جو اس وقت سرکاری خدمات کو کمالِ دیانت داری سے انجام دے رہے ہیں، مرحوم ملا صاحب کے صاحبزادے ہیں جنہوں نے ان کو دیکھا یا ان سے کام کے مواقع حاصل کیے وہ خوب واقف ہیں کہ ملا صاحب میں غریبوں کے ساتھ مہرِ رومی اور ان کی خبر گیری کا خاص مادہ تھا۔ اسلامی ریاست میں جھوٹے کا نام و نشان نہ تھا، اور ملا صاحب بڑے سیاسی مفکر تھے مگر آج سیاست کا نام جھوٹ بولنے کے لیے لیا جا رہا ہے۔ ملا صاحب باعتبار

اپنے خدمت کے بہت سی خوبیوں کے مالک تھے اور آج
 ملک میں ایک قسم کے شیر دل ملک کی ضرورت پہلے سے زیادہ
 تھی مجھے یقین ہے کہ آپ کی روشن کی ہوئی مشعل کبھی
 نہیں بجھے گی کوئی نہ کوئی مشعل سردار پیدا ہو جائے گا تاریکی
 کو نور سے معمور کر دے گا۔ خدا ملّا عبد القیوم کی روح کو جنت
 میں جگہ عطا فرمائے۔

اقبال کا پیام آزادی

یوم اقبال کے سلسلے میں ۱۵ دسمبر ۱۹۴۷ کو زیر محل ٹاکنز میں جناب سید عبدالعزیز صدر المہام حکومت آصفیہ کی زیر صدارت ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا تھا اس جلسے میں حضرت قائد ملت نے ”اقبال کا پیام آزادی“ پر جو بصیرت افروز تفسیر فرمائی وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

حمد و نعت کے بعد فرمایا:-

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد
تجلی کی فسر اوانی سے فریاد
گوارا ہے اسے نظارہ غیر
نگہ کی نامسلمانی سے فریاد

سچا شاعر وقت کے دربار کا نقیب ہوتا ہے اور وہی باتیں
اس کی زبان سے شعر کا جامہ پہن کر بکھنے لگتی ہیں جو وقت کی ضرورت
اور زمانہ کا تقاضہ ہوتی ہیں۔ اگر اقبال انیسویں و بیسویں صدی میں پیدا

ہونے کی بجائے پندرہویں صدی یا سولہویں صدی میں پیدا ہوتے تو شاید ان کی شاغری میں ہم کچھ اور پاتے ہماری خوش نصیبی سے وہ اس زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں جب کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ سارا عالم اسلام نہ صرف عالم اسلام بلکہ سارا جہان مشرقِ معاشی، سیاسی اور ذہنی حیثیت سے مغرب کی غلامی کی لعنت میں گرفتار تھا۔ اقبال کا دل اور وہ حساس دل جس کو قدرت کا بہترین عطیہ کہنا چاہیے اپنے ماحول کی ان کیفیات سے تڑپ اٹھتا ہے اور وہ اپنی اس غلامی کا نو صدمہ ٹھہرنے لگتے ہیں۔ کہا ہے کہ

شرق و غرب آزاد ما پنچ غیر تخت ماسرماہ تعمیر غیر
زندگانی ہر مراد دیگراں جاودال مرگاست نے خواہ گراں
جب وہ سیاسیات حاضرہ کی تماشہ گاہ پر نظر ڈالتے ہیں
تو ان کو ہر طرف اصرار تسلط و استبداد کی مکر سامنیوں اور
فریب کاریوں سے سابقہ پڑتا ہے ان کو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی
ہے کہ غلاموں میں کس طرح نشہ غلامی کو تیز تر کرنے کی کوشش کی
جاری ہے اور غلاموں کے قلب و دماغ کو کس طرح دیوارِ محبس
میں آسودہ رہنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ وہ مرغِ زیرک کی
دانہ مستی پر تڑپ جاتے ہیں اور اس سیاسیات حاضرہ کو توڑنے

پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس کی نسبت یوں نغمہ سراہتے ہیں کہ
 می کند بند غلامان سخت تر حریت می خواند اور ابے بصر
 در فضایش بال و پرتوال کشود باکلیدش میج درنتوال کشود
 گفت بامرغ قفس لے درد مند آشیال درخسان صیاد بند
 برکہ سازد آشیال در دشت مرغ او نباشدین از شاہین و چرخ
 از فسوس مرغ زیرک نہ مست تار ہا اندر مخلوے خود شکست
 الحذر از گرمی گفت اراو الحذر از حرف پہلدار او
 اقبال کو اقوام مستبد و غالب کی ان فسول کاریوں سے
 زیادہ اقوام مغلوب و محکوم کی کوتاہیوں پر غصہ آتا ہے وہ سمجھتے ہیں
 کہ غالب اپنی حاکمیت میں اتنا قصور وار نہیں جتنا مغلوب اپنی
 محکومیت کے لیے ذمہ دار ہے کہتے ہیں کہ
 جال محی گرو غیر بدن محی گرو غیر افسوس کہ باقی نہ مکان نہ مکین
 یورپ کی غلامی پر رضامند ہوا تو مجھ کو کونہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے
 انہوں نے بار بار اس بات کو ظاہر کیا کہ خواجگی کی مشکلوں کو آسان
 کرنے میں تمام تر مجرم غلام کی خوے غلامی ہے کہ

دور حاضر ہے حقیقت میں وہی عہد قدیم
 اہل سجادہ ہیں یا اہل سیاست ہیں امام

اس میں پیری کی کرامت ہے نہ میری کا ہے زور
سینکڑوں صدیوں سے ہو گریں غلامی کے غلام
خواجگی میں کوئی مشکل نہیں رہتی باقی
پختہ ہو جاتے ہیں جب جوئے غلامی میں غلام

انہوں نے ان صفات کو ایک ایک کر کے گنایا ہے جو قوموں
میں گھس کی طرح لگتی ہیں۔ آگ کی طرح بھڑکنے لگتی ہیں اور ان کو
عضو معطل بنا دیتی ہیں۔ ان صفات کا ذکر بس درد مہر کے انداز میں
انہوں نے کیا ہے وہ ان کے قلب کی درد مند انہ کیفیات کا آئینہ دار
ہے کہتے ہیں۔

کار او تخریب خود تعمیر غیر	وائے قوتے کشتہ تدبیر غیر
از وجود خود نہ گرد و باخبر	حی شود در علم و فن صاحب نظر
در ضمیرش آرزو باز او مرد	نقش حق را از نگین خود دسترد
نوجوانان چو زناں مشغول تن	از جیا بیگمانہ پیران کہن
مردہ زانید از بطون اہمات	درد دل شاں آرزو ہا بے ثبات
کار او فکر معاش و ترس مرگ	ہر زماں اندر تلاش ساز و برگ
غافل از مغراند و اندر بند پوست	منعمال او بخیل و عیش دوست
یعنی از خشت حرم تعمیر زیر	دین او عہد وفا بستن بہ غیر

اقبال کو قوم سے زیادہ امیران قوم پر غصہ ہے جو اس
گلہ کے چرواہے ہیں اور اس قافلہ کے سالار اور جن کی تن پرستی
اور جاہ مستی نے کم نگاہی اور کلیسا دوستی نے نور جان سے محرومی
اور لالہ سے بد نصیبی نے قوم کو غلامی کے بُرے دن دکھائے۔ ان
کی نسبت کہتے ہیں :-

داغ از رسوائیِ این کاروانِ درامیراوندیدم نور جان
تن پرست و جاہ مست و کم نگاہ اندر روش بے نصیب از لالہ
در حرم زاد و کلیسا رامید

پردہ ناموس مازا بردرید

آپ کو جتنا خصم امیروں پر ہے اتنا ہی قوم کے شعراء
حکما اور علما پر جو ہمیشہ قوموں کی زندگی میں رہبر و رہنما رہے
میں جن کی گرمی گفتار اور سختی کردار سے قوم کے لیے نشانِ راہ
پیدا ہوتے ہیں جن کے فہم صحیح اور فکر مرتب نے مشکلات کے
دشت و جبل کاٹ کر منزل کے قریب ترین راستے پیدا کیے۔ اقبال
کو غم ہوتا ہے کہ غلام قوموں میں شعراء بھی پیدا ہوتے ہیں اور علماء
حکما بھی لیکن ان کی فکر شیروں کو رُم آہو سکی جاتی ہے قوموں
کو غلامی پر رضا مند کرتی ہے اور جب ان کا ضمیر انہیں ملامت

کرتا ہے تو ان کا دماغ ان کو تاویل کا مسئلہ سکھا دیتا ہے۔
 شاعر بھی ہیں سید علماء و حکماء بھی خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
 مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا گراؤ ہر ایک ہے گو شرح معانی ہیں بگنا
 بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں مامو باقی نہ رہے شیر کی شیریں کا فسانہ
 کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
 تاویل مسائل کو بناتے ہیں یہاں

فلک زحل غداران ملت اقبال ان سب سے زیادہ ان غداران

ملت کی یاد سے آتش زیر پا ہو جاتے ہیں جنہوں نے حقیر و ناقابل
 لحاظ قیمت پر ملت کی آزادی فروخت کر دی جن کی جاہ پرستی اور
 خطاب دوستی نے قوموں کی زنجیر غلامی کی کڑیاں مضبوط کیں سب
 سے زیادہ عجیب ”جاوید نامہ“ کا وہ مقام ہے جہاں اقبال پر رومی
 کی معیت میں ہفت اخلاک کی سیر کرتے ہوئے ”فلک زحل“ پر پہنچتے
 ہیں اور اس دریائے خون کو دیکھتے ہیں جس کی موجیں طوفان
 خون اٹھا رہی ہیں جس کی فضاؤں میں طیور خوش الحان کی
 بجائے مار و کزد م اڑ رہے ہیں اور جن کے التہاب میں پارہ پارہ
 کوہ پگھل رہے ہیں۔ ان کو حیرت ہوتی ہے کہ اس طوفانی سمندر

خونین میں ایک چھوٹی سی کشتی پر دو بدنصیب تہیہ پڑے کھاتے
 دکھائی دے رہے ہیں۔ اقبال ان کی مصیبت پر تڑپ اٹھتے ہیں
 اور سر رومیؒ سے ان کا حال دریافت کرتے ہیں۔ سر رومیؒ نے
 بتایا کہ وہ قوم فروش غدار ہیں جنہوں نے ہندوستان کی آزادی
 اقوام مغرب کو بخشی اور بہت ارزاں بھی۔ ان میں سے ایک "بنگال"
 کا میر جعفر اور دوسرا دکن کا "میر صادق" ہے اقبال کی آنکھوں سے
 حیرت و استعجاب کی کیفیت ابھی مٹی مٹی نہیں کہ ابواب فلک
 وا ہوتے ہیں اور اقبال ایک حسینہ کو فضا کے بسیط کی پنیاسوں
 سے اترتا ہوا دیکھتے ہیں اس کا حسن عالم آشوب اقبال کی
 آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے لیکن اس کے پاؤں کی مضبوط اور
 وزنی زنجیریں جند ہیائی ہوئی آنکھوں کو آشک آلود بنا دیتی ہیں
 اور اقبال کا دل تڑپ اٹھتا ہے جب وہ سر رومیؒ سے سنتے ہیں
 کہ یہ حسینہ روح ہندوستان ہے جس کے پاؤں میں غلامی کی مضبوط
 زنجیریں پڑی ہوئی ہیں۔ روح ہندوستان اپنے ایک فرزند
 سعید کو دیکھ کر بے اختیار رو جھرا ہوتی ہے اور اس کا نوہ
 اقبال کے شاہکار جاوید نامہ کا شاہکار ہے۔ سینے اور ان کا نوہ
 سے سینے جن کانوں سے اقبال نے سنا تھا۔ تڑپ جائے اور

اس طرح تڑپے جس طرح اقبال تڑپا تھا اور کوشش کیجے
 کہ سرزمین ہند پہنچ کر کسی معجز و صادق کو نہ پیدا کر سکے اور اگر
 پیدا ہو تو آپ کے دست و بازو اس کو قوم فروشی کا موقع
 نہ دے سکیں۔

شمع جاں افسرد در فانوس ہند
 ہندیاں بیگناہ از ناموس ہند
 مرد کے نامحرم از اسرار خویش
 زخمہ خود کم زندہ بر تار خویش
 بند ہا بردست و پائے من از دست
 نالہ ہائے نار سائے من از دست
 کے شب ہند و ستار آید بروز
 مرد بعض زندہ روح او ہنوز
 تاز قید اک بدن واحی رہد
 اشیاء اندر تن دیگر نہد
 گاہ اور با کلیسا ساز باز
 گاہ پیش دیریاں اندر نیاز
 دین او آئین او سوداگری ست

غفتری اندر لباس حیدری ست
 ظاہر او از غم دین درد مند
 باطنش چو دیریاں ز نار بند
 جعفر اندر ہر بدن ملت کش است
 ایں مسلمانے کہن ملت کش است
 خد خندان است و با کس یار نیست
 مارا گر خدال شود جز مار نیست
 ملتے را ہر کجا غارت گمرے است
 اصل او از صادقے یا جعفر است
 الاماں اے روح جعفر الاماں
 الاماں از جعفران ایں زماں

اس غلامی کے تصور سے اقبال پرندامت و شرمندگی کی
 جو کیفیات طاری ہوتی ہیں وہی ان کے کلام اور کلام کے اثر کی روح
 ہیں۔ غلامی میں ساری قوم مبتلا ہے لیکن مومن ہوتا ہے کہ ساری قوم
 کی شرمندگی سمٹ کر قلب اقبال پر جمی ہوئی ہے وہ اس عالم غلامی
 میں اپنے "قیام صلوٰۃ کو بے حصہ اپنے سجدہ کو بے سرور پاتے ہیں
 باوجود اس کے حق۔ اپنے صدمہ صلوٰۃ کو ان پر بے نقاب

کرو یا لیکن ان کی حق پرستی کا اعلیٰ ترین مقام یہ ہے کہ وہ
 قلب غلام کو جلوة حق کے ایک نفس کا محیی مستحق نہیں پاتے
 ان کے نزدیک غلام جلال خداوندی اور جلال لازوالی سے
 بے خبر ہے اور اس سے بڑھ کر وہ غلام میں کسی لذت ایمان
 کی تلاش کو بے سود سمجھتے ہیں چاہے وہ حافظ قرآن ہی کیوں
 نہ ہو۔ ان کے نزدیک صرف عید آزادان شکوہ ملک و
 دین ہے اور غلاموں کی عید مومن کہلانے والوں کے ہجوم
 سے زیادہ کچھ نہیں ہے

از قیام نے حضور من میرس	از سجود بے سرور من میرس
جلوہ حق گرچہ باشد ایک نفس	قسمت بردان آزاد است و بس
مرد آزاد سے چو آید در سجود	در طوافش گردا در چرخ کبود
غلاماں از جلالش بے خبر	از جمال لازوالش بے خبر
از غلام لذت ایمان محو	گرچہ باشد حافظ قرآن محو

عید آزادان شکوہ ملک و دین

عید محکومان ہجوم مومنین

اس نہایت و شرمندگی کا انتہائی مقام وہ ہے جہاں

اقبالِ حالتِ غلامی میں اپنی زبان سے آقائے کائنات صلیع نکالتے

خجالت سے عرق عرق ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس بندہ
خدا مست و خود آگاہ کا اسم گرامی تقدس و پاک کی کا وہ نشان ہے
جس کو کسی غلام کی زبان سے آلودہ تکلم نہ ہونا چاہیے۔ جس
کی صدائے قم نے غلاموں کی قبروں سے لاکھوں مردوں کو اٹھا کر
آزادی کے تخت پر بٹھایا۔ اقبال اپنے آپ کو عالم غلامی میں اس کے
نام نائی پر درود پڑھنے کے قابل بھی نہیں پاتا۔

گرچہ دانا حال دل با کس نکست از تو در خویش نتوانم نہفت
تا غلام در غلامی زاده ام ز آستان کعبہ دور افتادہ ام
چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود از خجالت آب می گردد و جود
عشق می گوید کہ اے محکوم غیب سینه تو از بتال ماست ویر
مانداری از محمد رنگ و بو

از درود خود میبایمانم او

”دل روشن اور نفس گرم“

اقبال نے ایک۔۔۔

زیادہ مقامات پر آزاد و محکوم کا فرق واضح کیا ہے انہوں نے
بتایا کہ آزاد و محکوم میں کوئی نسبت نہیں ہوتی آزاد کے رگ کی سختی
مظلوم کے رگ تاک کی طرح نرم رگ میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ ایک

زندہ، پیرسوز اور طربناک اور دوسرے کا دل مردہ، افسردہ اور
 نوید ہوتا ہے ایک کی دولت دل روشن اور نفس گرم اور
 دوسرے کا سرمایہ فقط دیدہ نمناک یہاں تک کہ ایک خواجہ افلاک ہے
 اور دوسرا بندہ افلاک۔ اقبالؒ اپنی ملت کو پہلی صف میں دیکھنا
 چاہتے ہیں اور دوسری صف کو الگ کرنا چاہتے ہیں کتنے کان ہیں
 جو ان کو صحیح سن رہے ہیں۔

آزادی کی رگ سخت ہے مانند رگ سنگ
 محکوم کی رگ نرم ہے مانند رگ تاک
 محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نوید
 آزاد کا دل زندہ و پیرسوز و طربناک
 آزادی کی دولت دل روشن نفس گرم
 محکوم کا سرمایہ فقط دیدہ نمناک
 محکوم ہے بیگانہ اخلاص و مروت
 ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
 ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہم دوش
 وہ بندہ افلاک ہے یہ خواجہ افلاک

پیشہ رویی۔ اس فرق کو نمایاں کرنے کے بعد

انہوں نے کبھی دنیا کی ہر مشہور و محکوم قوم کو اور کبھی ان میں سے ہر ایک کو جدا جدا مخاطب کیا ہے اور درس آزادی دیا ہے وہ کبھی اقوام مغرب کی طرف پلٹ کر کہتے ہیں کہ جلوہ کے رنگ رنگ سے باہر نکلیں اور ترک فرنگ سے کے ذریعہ اپنی خودی کو پہچانیں اور حاصل کریں۔ ان کو سکھاتے ہیں کہ ”مگر غریباں سے واقف ہو جانے کے بعد“ پیشہ رو باہی سے کام نہیں چلنا اس میدان میں شیر ہی جی سکتے ہیں اور صرف شیر اور پھر شیر درو باہ کی تمہیلوں سکھائی کہ ایک کی تلاش صرف آزادی یا موت کی منزل سے آگے نہیں بڑھتی۔ گزر مگر غریباں باشی خبیر رو مہی بگزد شیر پیشہ گیر حیثیت رو باہی تلاش ساز و برگ شیر مولاجوید آزادی و مرگ

خودی اور لذت نمود وہ کبھی فلسطین کے عربوں

کی طرف مڑتے ہیں اور ان کو سمجھاتے ہیں کہ تیرے وجود میں اب بھی وہ آگ چھپی ہوئی ہے جس کے سوز سے زمانہ فارغ نہیں ہوا ان کی رہبری کرتے ہیں کہ تمہاری دوا جینو یا لندن میں نہیں کیوں کہ فرنگ کی جان تو یہود کے پنجہ میں پھنسی ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے غلام رقبوں کی نجات

کا صرف ایک ہی نسخہ تلاش کیا وہ ان قوموں میں خود کی بیری
اور لذت نمود ہے۔ ان ہی کی زبان سے سینے۔

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوکڑے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں
تیری دوا جنوا میں ہے نہ لسن میں
فرنگہ کی رگ جال پنجہ یہود میں ہے
سنا ہے میں نے علانی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش ولذت نمود میں ہے

ان کو ہم بھی حجازی عربوں سے مخاطب پاتے ہیں وہ انہیں
روح پاک مصطفیٰ کا واسطہ دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ تمہاری
بدانالیوں نے اس روح مقدس کو تڑپا رکھا ہے انہیں کی شان
میں ایک جگہ کہتے ہیں ہے

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیلؑ

نخست بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

کبھی کبھی زندگی کا گریوں سکھاتے ہیں ہے

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جو کم آب

اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی

کبھی ان سے کہتے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کو خودی کے بندھنوں سے جھڑپایا اور بیگانوں کے ساتھ پیوست کیا وہ مر گئے اور اگر زندگی چاہتے تو افسوں فرنگی کو بھی نوا اور اس کے فنون کو آستینوں میں چھپا ہوا دیکھنے کی کوشش کرو اس کا علاج ایک اور صرف ایک ہے تمہارے جسم روح غم سے معمور ہو جائیں گے

ہر کہ از بند خودی دارست مرد ہر کہ بایک آنکھال پیوست مرد
 آنچه تو با خویش کردی کس نکرد روح پاک مصطفیٰ آید در
 اے ز افسوں فرنگی بے غمبہر فتنہ باد راستین او نگر
 از فریب ادا گر خواہی اماں اشتراکش راز حوض خود برآں
 عصر خود را بنگر اے صاحب نظر در بدن باز آفرین روح غم
 اقبال نے بعض مقامات پر اپنے آپ کو پوری طرح غریاں کر دیا ہے خصوصاً ان کا آخری چھوٹا سا رسالہ۔

”پس چہ باید کرد اے اقوام شرق“ ان کے بے پردہ و بے پند تعلیمات کا حامل ہے اس میں انھوں نے آزادی حاصل کرنے کے جو گر سکھائے اور قوموں کو جس طرح پیغام آزادی دیا ہے اس کا پختہ رشید آپ کو ان چند شعروں میں ملے ہیں ان کی تشریح نہ کروں گا۔ عرب کا مشہور مقولہ ہے الکنایتہ ابلغ

من الصَّراخَة“ سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ جو نہیں سمجھتا
وہ نہیں اٹھتا وہ نہیں چلتا اور جس کے پاؤں آٹھناے راہ
بہول وہ ہمیشہ بیگانہ منزل رہتا ہے۔

اے اسیر رنگ پاک از رنگ شو	مومن خود کا فرافرنگ شو
رشتہ سود و زیاں در دست تست	آبروئے فاو راں در دست تست
ایں کہن اقوام را شیرازہ بند	رایت صدق و صفا را کن بند
اے امین دولت تہذیب و دین	آل ید بیضا بر آرازا ستیں
خیز و از کار اہم بخشا کرہ	تیشہ افرنگ را از سر بند
دانی از افرنگ و از کار فرنگ	تا کجا در قید زنا ر فرنگ
زخم از و نشتر از و سوزن از و	ما و جوئے خوں و امید ر فو
دین حق را زندگی از قوت است	قوت ہر ملت از جمعیت است

رائے بے قوت ہمہ مکر و فصول
قوت بے رائے جہل است و جہول

آزادی انسانیت

اقبال نے جو درس خودی دنیا کو
دیا اور جو اس کے پیام کی اصل اور اس کی شاعرانہ اور حکیمانہ زندگی
کی روح تصور کی جاتی ہے۔ اقبال ہم مجھے معاف کریں اگر میں کہوں کہ

وہ اصل نہیں ذریعہ ہے اقبال کا پیام ہو کہ کمزوریت یا اقبال کی تعلیم و تہذیب
 ہو کہ حاکمیت میں ان سب کو روح انسانیت کی آزادی کا ذریعہ اور
 آزادی انسانیت کو اقبال کا اصلی پیام سمجھتا ہوں۔ اگر آپ اقبال سے
 خود پوچھیں کہ خودی کی بیداری کا فائدہ؟ کمزوریت کا نتیجہ؟ وحدت
 قوم و ملت کا آل؟

”بمصطفیٰ رسانیدن“ اور ”از بولہی ترسیدن“ کیوں؟ تو
 اقبال کہتے اور آج بھی سننے والوں کو روح اقبال جواب دے
 رہی ہے کہ یہ سب اس لیے کہ انسان اپنا مقام اصلی پہنچانے اور
 غیر اللہ کے تسلط و استبداد سے نکل کر حریت کاملہ کا تاج پہنے اور
 آزادی کے تخت پر جلوہ فرما ہو جائے۔

مادرِ دکن

آصف سابق نواب میر عثمان علی خاں والی ریاست
جہ آباد کی مال بڑی بیگم صاحبہ کی وفات پڑاؤن ہال باغ عا
میں ۲۵ اپریل ۱۹۴۱ء کو جلسہ تعزیت مقرر ہوا۔ مادرِ دکن کے اس
جلسہ تعزیت میں حضرت قائدِ ملت بھی مدعو تھے۔ ۲۶ اپریل ۱۹۴۱ء
کے پیرِ دکن کی روداد پر یہ تقریر مشتمل ہے۔

اڑالی قبریوں نے طوطیوں نے خندلیوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری
مجھ سے قبل مقبرین کا کثر تعداد نے سب کچھ کہہ دیا ہے اب کیا رہ
گیا ہے جس سے اپنے جذباتِ غم و اندوہ کا اظہار کروں موت کے متعلق
سب جانتے ہیں کوئی ناواقف نہیں کہ موت ایسی حقیقت ہے جس سے
انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اکثر لوں نے بہت سی چیزوں سے انکار کیا سینکڑوں
نے خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کیا لیکن موت ایسی حقیقت کبرئی ہے کہ سب
اس سے بچ نہیں سکتے۔ سبھی مرتے رہے اور مرتے رہیں گے موت سے

رستکاری کسی نے حاصل نہیں کی۔ اگر رستکاری ہو سکتی تو سعادت مند
 بیٹے کی اتنی خدمت گزاری اور شہانہ روز تیار داری کے بعد مال موت
 سے بچ جائیں لیکن موت کا قوی سے قوی بیچہ کسی کو محفوظ رہنے نہیں دیتا۔
 موت اتنی اہم حقیقت ہے کہ اس کا آنافوری اور جب وہ آجائے تو
 نجات نہیں اگر حقیقت آجائے تو رنج کس بات کا۔

انسان نقصان پر ملال کرتا ہے جتنا شدید نقصان ہوتا ہے
 اسے اتنا ہی شدید ملال بھی ہوتا ہے آج کا اجتماع رسمی نہیں حقیقی معنی
 میں اجتماع ہے۔ یہ اجتماع اظہار ہمدردی کا نہیں بلکہ جذبات صحیحہ کے
 اظہار کا اجتماع ہے۔ اپنے ذاتی نقصان پر اور ایک قیمتی شے کے کھوجانے
 پر درد دل کے اظہار کے لیے ہم جمع ہو رہے ہیں۔

علیہا حضرت کا انتقال ہمارے لیے وجہ ملال اور وجہ نقصان
 عظیم ہے۔ علیہا حضرت کی جدائی کا ملال اعلیٰ حضرت بندگان عالی سے بڑھ کر
 کسی اور کو نہیں ہو سکتا کسی والدہ کا ایسا فرزند نہیں جس کے اتنے بڑے
 احسانات و اکرامات ہوں اور جو (۲۸) سال سے سایہ ہما پایا کی طرح
 (۸۲) ہزار مربع میل پر رہنے والی رعایا پر حکومت کرتا ہو مروجہ نے
 اعلیٰ حضرت بندگان عالی جیسا فرزند عطا کر کے ایسا عظیم احسان کیا ہے کہ
 اس کی ہم سے نہ پابجائی ہو سکتی ہے اور نہ شکریہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مرحوم بڑا درد مند دل رکھتی تھیں، مرحومہ کا سب کچھ
 غریبوں کی چارہ سازی اور دستگیری میں صرف ہو جاتا تھا۔ اگر ہاتھ
 میں کچھ نہ ہوتا تو اپنے سامنے کا اوگا لہان اور پاندان بھی دے دیتے
 تھے۔ ایسی ماں جس کے دل میں دوسرے کا درد ہو اس ماں کی گود
 میں تربیت پائے ہوئے فرزند میں کتنی نہ صفات عالیہ اور کتنی نہ خصوصیات
 خاصہ ہوں گی۔ ہم جس کے دو پر مسعود سے گزر رہے ہیں اس میں ہر طرح
 کی نعمتیں حاصل ہیں جو مرحومہ کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے
 مسلمان، شریف انسان، عالم اور فاضل کی حیثیت سے ماں کے
 مدارج کا خیال فرمایا جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی لوگ
 بڑے ہوتے ہیں، شادیاں ہوتی ہیں لیکن ماں کا خدمت سے محروم
 رہتے ہیں۔ ماں سے علیحدہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ کتنی مائیں ایسی بھی
 ہیں جو اولاد کو دیکھنے ترستی ہیں لیکن اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی وہ
 فرزند سعادت مند ہیں جنہوں نے ماں کو دیکھے بغیر شاید ہی کوئی
 دل گذارا ہو، اور سلام کی سعادت حاصل نہ کی ہو۔ روزانہ والدہ
 محترمہ سے ملے اور دعائیں لے کر قصر شاہی میں واپس ہوتے
 تھے۔ اس کی مثال کوئی نہیں۔

اعلیٰ حضرت بندگانِ اقدس کے احسانات مادرِ دکن

کے نقصان عظیم سے ہم اپنے قلب میں ایسا درد ایسا رنج اور ایسا غم رکھتے ہیں کہ اس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جاسکتا کسی قسم کے دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ ہم رنج و الم اندوہ و غم کے اظہار کے لیے ایک اسوہ حاصل کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں۔

ہارون رشید کے از نکاب گناہ سے بچنے پر امام شافعی نے ہارون رشید کو جنتی قرار دیا تھا میں بھی اس حدیث شریف کی روشنی میں کہ جنت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے حضرت بندگان عالی کو بشارت دینے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ آپ نے بھی ماں کی خدمت کر کے جنت حاصل فرمائی ہے۔ آقاؐ ولی نعمت اعلیٰ حضرت کی خدمت مادر ہی کی مثال کو سامنے

رکھیں کہ ہم ایسے اطاعت گزار اور فرماں بردار فرزند سعادت مند اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور بسر کرتے رہیں گے ہم ان کے غم کو صحیح معنی میں اپنا غم ان کے نقصان کو اپنا نقصان، ان کی مادر محترمہ کی وفات کو اپنی ماں کی وفات سمجھتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں جنازہ کو کاندھا دینے کی سعادت حاصل نہ کر سکا میں کل ہی واپس آیا اور آج اس تعزیتی جلسہ میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

”منہ میں سکھانا آپس میں پیر رکھنا“

گنیش اتسو کے موقع پر ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو ایک جلسہ شہت
گلچیدہ رآباد میں سروسروجنی نائیڈو کی صدارت میں منعقد ہوا تھا
نواب بہادر یار جنگاپ کی تقریر سے قبل سروسروجنی نائیڈو نے اپنی
فصیح و بلیغ تقریر میں نواب صاحب کا تعارف کروایا۔
جب نواب صاحب کی مندرجہ ذیل تقریر ختم ہوئی تو محترمہ
سروسروجنی نائیڈو نے ارشاد فرمایا۔

ایسی تقریر کے بعد میری کیا مجال ہے جو کچھ بیان کروں
صرف اتنا کہتی ہوں کہ

بلبل کو گل مبارک گل کو چمن مبارک
رنگیں طبع توں کو رنگیں سخن مبارک

اس تقریر کا یہ خلاصہ تہہ بردکن کے ۲۷ اگست ۱۹۴۱ء

کے پرچے میں شائع ہوا۔

صدر محترمہ نے میرا تعارف کراتے ہوئے جو جملے استعمال کیے

ہیں اس کا میں شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ چونکہ میں ان کو
مال کہتا ہوں اس لیے انہوں نے میری نہیں بلکہ خود اپنی تعریف کر لی
شاعر ٹیگور کے تعزیتی جلسہ میں میں نے آجہائی شاعر کی جو پیش گوئی
اپنے متعلق بیان کی تھی وہ میں سمجھتا ہوں کہ صدر محترمہ کے متعلق بھی صادق
آسکتی ہے چونکہ آج انہوں نے زبان اردو میں فصیح تقریر کی وہ
اس کی گواہ ہے۔

حضرات میں ابتداء میں اس غذا کے نام سے اپنی تشریح شروع
کروں گا جو ہم سب کا پالنے والا اور نگہبان ہے۔ جس سے متعلق مختلف
گوشوں میں یہ شکوک پیدا ہو گئے ہیں کہ میں مشترکہ پارٹ فارم کی کوشش
میں سرگرداں ہوں۔ آج کا اس جگہ میرا آنا ان کے لیے اور بھی شہوت
مہوگیا۔ کوئی سوچتا ہے کہ بہادر خاں جو ایک بڑا خوشخوار ہے وہ کیسے اس
جگہ تقریر پر رضامند ہو گیا۔ میں اس ضمن میں یہ کہوں گا کہ نہ ہندوؤں
میں اختلافات ہیں مسلمانوں سے اور نہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے میرے
بلکہ یہ صرف ہندو زعماء اور مسلمانوں کے قائدین کے درمیان اختلافات ہیں
وہ بھی سیاسی نقاط نظر سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں ان کو کبھی ہندو مسلم
اختلافات تصور نہیں کرتا اور دکن کی سطح پر تفریق کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم
سمجھتا ہوں اور دوسو برس سے جو راستہ آپس میں قائم ہے وہ کبھی

فقتوں کے بیدار ہونے سے برباد نہیں ہو سکتا میں نے یہ سمجھ کر کہیں ہمارے سماجی حیثیت میں فرق نہ آئے تقریر پر آمادگی ظاہر کی۔ ہمارے درمیان جو خلیج حائل ہے وہ یقیناً پائی جا سکتی ہے اس کی وجہ مذہبی عقائد میں نہ ہمارے اختلافات ہیں بلکہ درمیان میں ایک ایسی چیز پیدا ہو گئی ہے کہ بد قسمتی سے آج ہم اپنے آپ کو ایک دوسرے سے دور سمجھ رہے ہیں۔ آج یہ کہوں گا کہ وہ وقت دور نہیں زمانہ خود اس پیام کو عام کرے گا کہ ہم دنیا کو اس کا پیام دیں گے میں باوجود اس تقریب میں جس کو لوگ مانیتھک نے سیاسی جام میں پیش کیا تھا اس پہلو کو نظر انداز کیے ہوئے اپنے خیالات کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

مذہب سے متعلق ہماری تعلیم عجیب قسم کی ہو گئی ہے۔ ہم نے اپنے چہرے میں غلامی کی۔ مذہب کے لیے انگریزی میں (RELIGION) کا لفظ ہے لیکن وہ جن معانی کو ادا کرتا ہے اس سے ہمارے مذہب میں جداگانہ تصورات پیدا ہوتے ہیں۔ اس وقت بیسائیت کے سامنے صرف مذہب کا ایک ہی راستہ تھا اور انھوں نے اسی تعلیم کو عام کیا یعنی خدا کے بندے کے ساتھ تعلق اور یہ لفظ اسی مطلب کو ادا کرنا ہے لیکن بندے اور بندوں کے درمیان تعلقات اس میں حذف ہیں ہندو دھرم اور اسلام اس سے مختلف ہے اس میں دھرم اور مذہب

کا مفہوم ہے اس سے بندوں اور بندوں کے ساتھ تعلقات بھی واضح ہیں۔

جس طرح ہم اللہ اکبر کہتے ہیں اسی طرح اس نے ہمارے لیے رزق پیدا کیا۔ دنیا کے سرچشمے ہمارے لیے کھول دیئے۔ آفتاب ہمارے لیے پیدا کیا گیا۔ لہلہاتی ہوی کیتیاں ہمارے ہی لیے ہیں اور باغ پھولوں سے جھک رہے ہیں۔ اسی رب نے ہماری آتما اور روح کے لیے بھی سامان فراہم کیے۔ یہ سامان مذاہب ہیں جو مختلف اوقات میں انسان کی ہدایت کے لیے اپنے فرائض حقیقی کو سمجھنے کے لیے دیئے گئے۔ اس پروردگار نے جس نے یہ کائنات پیدا کی ہے۔ دنیا کی کسی قوم کو ہدایت سے معری نہیں رکھا۔ ہر قوم کے لیے ہادی بھیجے گئے ہم کو جن پیغمبروں کے نام بتائے گئے ہیں ان کے علاوہ قرآن نے ان کی تعلیمات کو جھٹلایا نہیں بلکہ جیسے نوح اور قوم عاد کے لیے ہود، شعیب، ذکریا، موسیٰ، داؤد، عیسیٰ اور محمد بھیجے گئے ان کے علاوہ دنیا کے ہر حصہ میں کوئی نہ کوئی ہادی بھیجا گیا اگر مسلمان ان کو تسلیم بھی نہیں کرتے تو ان کی تکذیب بھی نہیں کرتے جیسے سری کرشن اور سری راجندر جی۔ ہم ان کو نہیں مانتے لیکن قرآن کی تہلانی ہوئی ہدایت پر عمل کر کے کہ خداوند عالم نے اس براعظم کو سنی کسی ہادی سے معری نہ رکھا ہو گا خاموش ہوتے ہیں۔ خدا کے بھیجے ہوئے نبیوں

کا پیام کبھی الگ الگ نہیں ہو سکتا ہم اس میں جو حقائق کے درس پاتے ہیں صداقت پر گامزن اور جھوٹ سے پرہیز وغیرہ یہ تمام مذاہب کی بنیاد ہے۔ آج دنیا میں جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں ان کو آپ خدا کے تصور سے خالی نہیں پائیں گے بلکہ ہر مذہب میں خدا کے ایک ہونے کے نظریہ کو پائیں گے جیسے جیسے ان پیغام پہنچانے والوں کی تعلیمات کو زمانہ گزرتا گیا مختلف مکاتیب خیال بنتے گئے اور آپس میں اختلافات پیدا ہونے لگے جب خدا کی ربوبیت نے دیکھا کہ ہمارے بھیجے ہوئے ہادی کی تعلیم مسخ ہو رہی ہے تو اس کی رحمت نے جوش کھایا اور ان ہادیوں کو براستہ جاری رہا۔ اور ان کی تعلیمات نے ہر زمانہ میں خدا کے درس کو عام کیا۔ اس کی وحدت کا اظہار سب ہی نے کیا مگر غلط تصورات نے تثلیث کی بنیاد کو صحیح سمجھ کر خدا کے ساتھ رشتہ جوڑ دینے کسی نے زرتشت و کنفوشس کی تعلیمات سے آتش پرستی کے رواج کو عام کیا اور کسی نے بت پرستی کو صحیح راستہ تصور کیا خدا کو جس نے اپنے تصور میں سمجھا اس کو اسی کے مطابق ڈھالنے لگا لیکن کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ اس سے خود خدا کی تکذیب ہو رہی ہے۔

دین تو ایک ہی ہے لیکن ہمارے تصورات اور کردار نے یہ بیسوں کو بدلا۔ نہ صرف پیغام کو پہنچانے میں ہادیوں نے کام کیا

بلکہ انہوں نے اپنے کردار سے بہت سبق دیا۔ دُنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے اچھائیوں کو پیش نہ کیا ہو۔ ہر مذہب نے پریم اور آشتی کی تعلیم دی۔ انہوں نے سیدے راستے دکھائے لیکن افستراق اور منافقانہ کوششیں جو شروع ہوئیں وہ

مذہب سے ناواقفیت کی وجہ اور انہوں نے مذہب کا نام لے کر ایک ایسے راستے کی بنا ڈالی جس سے ہندو مسلمانوں اور عیسائیوں میں ایک فلیج حائل ہو گئی۔ جس مذہب کی بنیاد تعلیم ہی فتنے برپا کرتی ہو اور مذہب کے نام پر طرح طرح کے اختلافات پیدا کرتی ہو وہ کبھی بھی صحیح مذہب نہیں ہو سکتا۔ حیدرآباد کی سرزمین ہمیشہ ایسی نامحود مساعی سے دور تھی لیکن اس کو بھی اس مذہب سے دوچار ہونا پڑا جو ایک طرف ہندوؤں کے خلاف تو دوسری طرف مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر رہا ہے۔

آج مجھے دکھ ہوتا تو ہے جب وہ پرانی صحبتیں یاد آتی ہیں ہمارے خاندان کو کوئی صدمہ ہوتا تو غسی لال جی کا خاندان کسی رات دن نہیں سو سکتا تھا وہ دیوالی کی راتیں اور پوہ کے تہوار یاد ہے اور بہار اچھ کے ہاتھوں کا چھینکا ہوا گھٹال نہیں

مبہول سکتا مجھ کو امید ہے کہ پریم کے راگوں میں ہندو اور
 مسلمان حیدر آباد کی ترقی میں اپنے کو پیش کریں گے۔ اپنے بادشاہ
 کی وفاداری کے گیت گاتے ہوئے سلطنت کو جس طرح ڈیرہ
 برس پہلے تھی اسی طرح قائم کریں گے اور اپنے بادشاہ کے
 سچے پریمی بن کر شانتی کے ساتھ حیدر آباد میں سچے شہری کی
 طرح زندگی گزاریں گے۔

آہ ٹیگور

حیدرآباد کے قدیم علمی و ادبی ماہنامہ شہاب "بابت ستمبر ۱۹۴۱ء" میں حضرت قائد ملت کی ٹیگور پر تقریر شائع ہوئی۔ ماہنامہ شہاب نے جو نوٹ اس تقریر پر درج کیا تھا وہ بھی شریک اشاعت ہے بلکہ اس مقام پر ہوا اس کا ذکر نوٹ میں بھی درج نہیں ہے۔ اس علمی تقریر میں ٹیگور کی شخصیت کے آئینہ میں حضرت قائد ملت کی شخصیت کا عکس نمایاں ہے۔

"شاعر ٹیگور کی موت طعرو سویقی کی دنیا میں ایک جاں سوز حادثہ ہے جس پر ارض ہندوستان میں انہماق و غمیت کے طبعے منعقد ہو رہے ہیں حیدرآباد نے جو حقیقی معنوں میں علم و ادب کا گہوارہ ہے مسنہر و جئی نائید و کی صدارت میں وسیع پیمانہ پر ایک جلسہ منعقد کیا تھا جس میں عام شہریوں کے علاوہ امراء اور عہدیداروں نے شرکت کی۔ اس موقع پر قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے جو تقریر کی تھی درج کی جاتی ہے۔"

عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ "عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے"

اور یہ اس لیے صحیح ہے کہ عالم کا داغ فکر و تصور کی ایک دنیا ہوتا ہے اور اس کی موت اس دنیا میں قیامت بن کر آتی ہے۔

ڈاکٹر ٹیگور اصطلاحی شاعر نہ تھے جو آج کل ہر گلی کو چھیں پائے جاتے ہیں وہ اصلی معنی میں شاعر تھے جن کو تلامینہ الرحمن کہا گیا ہے ایسا شاعر فطرت کائنات کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے وہ قدرت کے رخ سے فقاب اٹھاتا اور رموز اسرار فطرت اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور دنیا کی آنکھوں پر آشکار کر دیتا ہے۔ شاعر تفکر و تعقل کے سمندر کا وہ خواں ہوتا ہے جس کے سامنے صدف اپنی ہتھیلیاں کھول دیتے ہیں اور موتی اپنے آپ کو خود پیش کرتے ہیں اور ان کے درہائے معانی کو چھتا اور اپنی نظم کی بالا میں پرو کر فطرت کے گلے کی زینت بناتا ہے فطرت سے اس کا تعلق اتنا گہرا، اتنا مستحکم اور اتنا قریبی ہوتا ہے کہ وہ فطرت میں گم ہوتا ہے فطرت اس کی آنکھوں سے دیکھنے اور اس کی زبان سے بولنے لگتی ہے وہ مسکراتا ہے تو ہوا میں گنگنا نے لگتی ہیں درخت تالیاں بجاتے ہیں، سورج کی کرنیں ناچتی ہیں اور ساری کائنات تبسم بن جاتی ہے۔ جب اس کے ابرو پر بل پڑتے ہیں تو بادل رجم پڑنے لگتے ہیں چاند میں بھلیاں بھر جاتی ہیں۔ سورج آگ برسانے لگتا ہے اور ساری کائنات ایک میدان کارزار

بن جاتی ہے پھول اس کے ہاتھوں میں آکر کبھی نظر فریب بن جاتا ہے اور کبھی نظارہ سوز۔ وہ کبھی رگ گل سے بلبل کے پر باندھتا ہے اور کبھی لالے کو شعلہ طور بنا کر عشق کی دنیا کو خاکستر بنا دیتا ہے۔

دو فطرت شناس - ہندوستان نے ایسویں صدی عیسوی کے آخر میں دو بڑے فطرت شناس اور قدرت آشنا شاعر پیدا کیے ایک شمال مغرب میں اور دوسرا شمال مشرق میں ایک نے سوتلوں کو جگایا، جاگتوں کو کھڑا کیا، کھڑے ہوؤں کو چلایا اور چلنے والوں کو دوڑنے کی تعلیم دی۔ دوسرے نے امن اور شانتی کا راگ الاپا۔ کپٹ کی چٹائیں چلنے والوں کو پریم مل کے چھینٹے دیئے اور دنیا کو دیکھنے اور سننے والوں کے لیے ایک مجسمہ نغمہ بنا گیا میں اقبال کے ”پیام مشرق“ اور ٹیگور کی ”گیتان جلی“ میں بھی دو خصوصیتیں پاتا ہوں۔

گذشتہ جنگ عظیم سے یورپ کی دنیا تنہا چلی تھی کھاپوئے دادم اور میدان رستخیزی سرگرمیوں نے ان کے اعضا کو ٹنڈھال کر دیا تھا۔ وہ پیغام امن کے مجھو کے تھے، پیام مشرق کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور گیتان جلی نے ان کی نگاہوں کو جذب کر لیا۔ یہ ہے ٹیگور کے نوبل پرائز کی حقیقت جس پر آج ہم ہندوستانی بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔

نواب سرامین جنگ کی محفل۔ آج سے آٹھ سال قبل
 مجھے مشرق کے اس عظیم الشان شاعر کے سامنے اپنی یاواگوئی کے
 مظاہرے کا موقع ملا تھا۔ نواب سرامین جنگ بہادر کی روایت ہے کہ
 شاعر کو اردو کی اچھی تقریر سننے کی تمنا تھی یہ معلوم کیوں نظر انتخاب
 مجھ پہنچا ان پر پڑی۔ میرے لیے جو تقریر خطابت کو ایک کھیل سمجھتا ہے
 فی الحقیقت وہ دن ایک آزمائش کا دن تھا میں نے بہت کم اپنی
 کسی تقریر سے پہلے سوچا ہے کہ مجھے کیا کہنا چاہیے لیکن اس دن مجھ
 نہ صرف سوچنا بلکہ تیار ہونا پڑا۔ شاعر کی بڑائی کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے
 کہ وہ دوسروں کی ہمت افزائی کر کے اور ان کو بڑا بنا کر خوش ہوتا
 ہے۔ یہی خوبی ڈاکٹر ٹیگور میں تھی انھوں نے نہ صرف میری موجودگی میں
 بلکہ میرے غیاب میں بھی اس مختصر تقریر کو بہت پسند کیا۔ آج کی محترم
 صدر مسٹر نائیڈو سے انھوں نے کہا تھا کہ اس لڑکے کی روانی اور
 انداز بیان اس کو ہر زبان کا اچھا مقرر بنا سکتا ہے اگر یہ انگریزی
 میں مشق کرے تو کامیاب مقرر ہوگا میں کبھی سوچتا ہوں کہ کیوں
 نہ اس کی کوشش کروں۔ ممکن ہے شاعر کی یہ پیش گوئی اس کی روحانی
 قوتوں سے مل کر پوری ہو جائے۔ ان کی یہ محبت آخر تک قائم رہی۔
 شائستگی تھی۔ میں اپنی زندگی کے ان لمحات کو

فراموش نہیں کر سکتا جب کہ مجھے شاعر کے ساتھ شائستگی میں دو
 دن گزارنے کا موقع ملا تھا۔ یہ ڈرتا لیس گھنٹے میرے صفحہ دماغ پر
 ہمیشہ منسجم رہیں گے۔ وہ دور دور تک پھیلے ہوئے سرخ میدان مشہور
 عالم درسگاہ، مشرق میں وہ آموں کے بڑے بڑے پتھر، ان کے نیچے
 پوتی ہوئی صاف زمین جس پر بیٹھ کر تشریف گاہ عالم سادگی اور پرکاری
 کا درس حاصل کرتے ہیں۔ جابجا طلباء فن لیلیف کے بنائے ہوئے
 مجسمے دیواروں پر ان کی مصوری کے شاہکار ہر چیز میں مشرق کی رائے
 اور ٹھکانے ہوئی تہذیب کو اجاگر کرنے کی کوشش نمایاں۔ وہ عظیم الشان
 کتب خانہ جس میں بیٹھ کر ریسرچ اسکا لریز اپنے مقالے تیار کرتے ہیں
 اور میسرے سب سے زیادہ باذب لوجہ وہ شعبہ اسلامیات جو
 حضور شاہ دکن قلد اللہ ملکہ و سلطنت کے علیہ سے شاعر نے اس جامعہ
 میں قائم کیا تھا ان سب کی ایک ایک تفصیل آج بھی میری نگاہوں
 میں پردہ میں کی تصویروں کی طرح پھر نے لگتی ہے۔
 میں اپنی ان ملاقاتوں کی بنا پر تصدیق کرتا ہوں کہ شاعر فرورانہ
 تصورات سے بالاتر تھا وہ خوبیوں کا متلاشی تھا چاہے جہاں سے
 اس کو حاصل ہوتے۔ وہ مودہ تھا اور اس کا کیش بقول غالب ترک
 رسوم تھا اور وہ ملتوں کے مٹ جانے ہی کو اجزاء ایمان کی

تیاری تصور کرتا تھا۔

سیاست اور ٹیگور۔۔ اگر ہندوستان کی زمام ست
 ٹیگور جیسے مخلص بیریا اور حقیقی معنی میں ہندوستان پرست لوگوں کے
 ہاتھوں میں ہوتی شاید ہندوستان میں وہ تحریکیں پیدا ہی نہ
 ہوتیں۔ کاش آج بھی بڑی جماعتوں کی رہبری کرنے والے ٹیگور
 کے نقش قدم پر چلیں اور چھوٹی جماعتوں کی بے چینی کو دور کر سکیں۔
 طاعت و بندگی۔ مجھے ڈاکٹر ٹیگور آنجنائی کی وسعت
 قلب کو ظاہر کرنے کے لیے اجازت دیجئے کہ اپنے دور و زہ قیام
 شائقی نکتین کا واقعہ بیان کر دوں میں شاعر کے اس کمر میں
 بیٹھان سے بائیں کر رہا تھا جو سکرپاؤں تک مجسم شعر تھا۔ شاعر
 نے مجھ سے لفظ "اسلام" کے معنی پوچھے جب میں نے بتایا کہ اسلام
 اطاعت اور بندگی کو کہتے ہیں تو انھوں نے فوراً سوال کیا کہ
 مسلمانوں نے اس لفظ کو اپنے مذہب کے لیے کیوں پسند کیا۔
 میں نے ذرا تفصیلی طور سے توضیح کی کہ قرآن مجید اسلام کو
 کائنات عالم کا فطری مذہب قرار دیتا ہے جہاں کہیں خدا کی
 طرف سے کوئی آواز بلند ہوئی اور جس کسی نے خدا کے بندوں
 کو خدا کا راستہ دکھایا قرآن کی اصطلاح میں اس نے اسلام

کے سوا کوئی اور چہرہ پیش نہیں کی جا ہے وہ ابراہیم و اسماعیل
اور اسحق کی آواز ہو جو اشوریہ اور فلسطین میں گونجی اور
جس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے یا وہ زرتشت و
کنفیوشس اور گوتم بدھ کی آواز ہو جو ایران و چین و ہندوستان
میں بلند ہوئی چونکہ قرآن میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اس
لیے مسلمان ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے لیکن قرآن کے
ارشاد لکل امتہ رسول... وان امتہ خلا فیہا
منذیو کے مطابق یہ بھی ماننے کو تیار نہیں کہ رب العالمین
نے مشرق کے ان عظیم الشان ممالک کو اپنی ہدایت سے ہمیشہ
محروم رکھا ہوگا۔

مسلمان تنگ نظر نہ ہیں۔ شاعر نے میری گفتگو
کو نہایت توجہ سے سنا اور فرمانے لگے تمہارا بیان تو اس
الہام کی ترویج کرتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو تنگ نظر کہہ کر لگا دیتے
ہیں اور پھر پوچھا کہ موجودہ اختلافات کی حقیقت کیا ہے۔ میں
نے کہا کہ موجودہ اختلافات اصل کی خرابی نہیں نظر کی دوری کا
نتیجہ ہے جیسے جیسے معلمین قانون فطرت سے زمانہ دور ہوتا گیا
لوگوں نے ان کے مطلب کو سمجھنے میں غلطیاں کیں بیشہ بعین

یس لوگوں نے ان کو دین کی تبدیلی سمجھ لیا اور آپس میں لڑ پڑے
 پھر شاعر نے باوجود اپنے انتہائی علم و فضل کے مجھ سے دین و
 شریعت کا فرق دریافت کیا۔ میں اس گفتگو میں آپ کا زیادہ وقت
 زلوں گا مجھے جو چیز بتانی تھی وہ یہ کہ شاعر لیلایے علم کا دیوانہ تھا
 اور جدھر ناقلی لیلیٰ سے نشان قدم پاتا تھا اور ادھر مل پڑتا تھا
 تاکہ اس میں نجد، عراق کی تیز بھی باقی نہیں رہتی یہی راز اس
 کی بڑائی کا ہے اور یہی پہلو اس کی زندگی کا قابل تقلید ہے۔

مولوی احمد محی الدین

رہبرِ دکن کے اسلامی جذبہ خدمت گزاری سے معمور قلب کے مالک و مدیر مولوی سید احمد محی الدین صاحب مرحوم کے انتقال پر منعقدہ تعزیتی جلسہ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۴۲ء میں حضرت قائدِ ملت نے بحیثیت صدر جلسہ اختتامی تقریر فرمائی (روڈ نمبر ۳۰ جنوری ۱۹۴۲ء رہبرِ دکن)۔

جو تقریریں آپ نے سماعت فرمائیں ان سے اندازہ کیا ہو گا کہ جلسہ کا مقصد بڑی حد تک پورا ہو گیا۔ کیونکہ آج کے جلسہ کا مقصد مولوی سید احمد محی الدین مرحوم مدیر ”رہبرِ دکن“ کی یاد کو تازہ کرنا۔ ان کے طریقہ کار اور خیالات کو دہرانا اور اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ نواب اکبر یار جنگ بہادر کے اس خیال کا میں موید ہوں کہ نیک لوگوں کے لیے موت موت نہیں ہے جیسا کہ مقتدِ صاحب نے کہا موت تو ایک پل ہے جس سے گزر کر ایک دوست دوسرے دوست سے مل جاتا ہے۔ موت سب سے زیادہ یقینی چیز ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ فلسفیوں نے مائٹا کی برہم کو جیٹلایا فلسفیوں کا ایک گروہ پیدا ہوا جو مادی اجزاء اور تصویری خیال

ہے اور اس کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا لیکن کسی کو ایک چیز سے انکار کرنا کرنے کی جرات نہ ہو سکی۔ جغرافیائی بُعد و قرب کے باوجود معتقدات کی کشمکش کے باوجود جس چیز کو ماننے پر مجبور ہوے اور اس سے انکار نہیں جاسکتا وہ موت کی حقیقت ہے اور اس حقیقی و یقینی چیز سے ملال کرنا، فکر کرنا یا رنج کرنا ایک حیرتناک امر ہے جو اتنا یقینی ہو، اور جب وہ واقع ہو جائے تو اس پر ملال کے کیا معنی۔ احمد علی الدین اچھے رہے، اچھے مرے، اچھی زندگی گزاری، اچھے مقامات پائیں گے۔ انہوں نے ملک کی خدمت کی، بیداری پیدا کی، ملت کو حیات کا مقصد سمجھایا۔ آج بھی ان کی آخری زندگی کے اچھے ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ہم ان کی موت پر نہیں بلکہ بے خسارہ اور نقصان پر رورہے ہیں جو ناقابل تلافی ہے۔ وہ ہوتے تو منزل کو قریب کر سکتے۔ کشمکش کو تیز کیا جاسکتا اور دست و بازو میں زیادہ طاقت آتی۔ مجھے ان کی جدائی کا زیادہ صدمہ ہے، آپ نے ان کو ”رہبر“ کے صفحات پر دیکھا ہو گا۔ وہ میرے ساتھ ہمیشہ دست و بازو بنے رہے، بیسے ہر کام میں شریک رہے۔

گم شدہ سہ ماہیہ

ان کے کسی قریب سے قریب عزیز و قرابت دار کو اتنا صدمہ

نہ ہوا ہو گا جس قدر مجھ کو ہوا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور میں مغلوج ہو کر رہ گیا۔ ”رہبر“ میرا ہے، ”رہبر“ میرا تھا جس کا اظہار یسوع صاحب نے اپنی رپورٹ میں اس سے قبل کیا ہے جب بھی کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں احمد علی الدین ہماری متاع تھے، ہمارا سرمایہ تھے ہر شخص احمد علی الدین نہیں ہو سکتا۔ ہم احمد علی الدین کے لیے رو رہے ہیں اور اپنے گم شدہ سرمایہ پر آنسو بہا رہے ہیں۔

میں ”رہبر“ کا احسان مند ہوں

میری پہلاک زندگی کی ابتداء ”رہبر“ کی ابتداء کے ساتھ ساتھ ہے جس وقت ”رہبر“ نکلا میں مدرسہ میں استادوں کے سامنے سر جھکائے رہتا تھا۔ ہماری تحریکیں مدرسہ سے اٹھتی تھیں اس لحاظ سے ہم ”رہبر“ سے اپنی تاریخ ملا سکتے ہیں گو اس زمانہ میں ”صحیفہ“ اور ”مشیر“ اپنے ڈگر پر اچھی طرح چل رہے تھے لیکن ”رہبر“ نے ایک خاص راستہ اختیار کیا، جدت پیدا کی جس کے مطالعہ سے جدید حیدر آباد کی تصویر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے جس نے کشمکش کا حقیقی جذبہ اور فلاح و بہبود کے حقیقی گوشوں کو نمایاں کیا وہ ”رہبر“ ہے میں اپنے آپ کو ”رہبر“ کا احسان مند تصور کرتا ہوں۔ ملت کی شیرازہ بندی استواری

مضبوطی اور استحکام میں ”رہبر“ نے مولوی احمد محی الدین کی ادارت میں جس طرح خدمت انجام دی اس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک یادگار چیز ہے اور تاریخ کا درخشاں باب۔

ہمارے خلوت کی باتیں

اب تک آپ نے جلوت کی باتیں سنیں اب خلوت کی سنئے جس میں میں اور احمد محی الدین ہوتے تھے۔ مسائل پر خوب بحث ہوا کرتی ہم لڑتے تھے ملتے بھی تھے، اتفاق بھی کرتے تھے مختلف بھی رہتے تھے۔ ان کا اختلاف لڑائی کا باعث نہ ہوتا تھا۔ ان کی قلم کی گردش نے اتحاد المسلمین یا بہادر خاں کے کسی اختلاف کو ”رہبر“ میں نہیں لایا وہ محسوس کرتے کہ اس طفر چلنے کی ضرورت ہے یا مجھے غلط راستے پر پانے تو روکنے کی کوشش کرتے اور جب میں اختلاف کرتا تو خوب بحث کرتے جب سمجھ جاتے تو خاموش ہو جاتے تھے۔ انہوں نے ایک اخبار کی طاقت رکھ کر بھی اختلاف رائے کو اخبار کا اختلاف بنانا پسند نہیں کیا۔ ان کے پیش نظر ہر وقت ملت کا اتحاد تھا۔

مرحوم مجلس کے سچے خیر خواہ تھے

وہ صفت جس نے گرویدہ کر لیا تھا وہ مرحوم کا بے ریا خلوص جو

کسی قسم کے نمود و نمائش کا محتاج نہ تھا۔ انھوں نے کبھی پلیٹ فارم پر آنے کی کوشش نہیں کی میں مجلس کا پہلے صدر منتخب ہوا۔۔۔ عالمیں لینا چاہا تو انھوں نے سختی سے اختلاف کیا کہ کسی اخبار کے مدیر کی مجلس میں شرکت مناسب نہیں۔ انھوں نے ہر وقت انکار کیا مجلس کا ان سے زیادہ کوئی سچا خیر خواہ نہیں تھا۔ ان میں جرات تھی۔ وہ ڈر اور خوف تھے باوجودیکہ ان کا دام ذریعہ معیشت اخبار تھا لیکن انھوں نے بعض مواقع پر اس کی پروا نہ کی۔ ان کے ثبات قدم میں کبھی تزلزل و ارتعاش نہیں پیدا ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے سرکار عالی کے حکمے انکار نہیں کر سکتے۔ وفاق کے مسئلہ میں سخت مشغلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ”رہبر“ کو مختلف طریقوں سے پریشان کیا گیا اشتہارات بند کیے گئے، خریداری پر پابندی عائد کی گئی، جس کو ”رہبر“ کے کارکن معلوم عامہ و دستوری کے نوک جان سکتے ہیں یا میں ان پابندیوں کے بعد بھی وہ کہتے کہ ”نواب صاحب سب کچھ ہوتا رہتا ہے لیکن ہم اپنا کام کرتے رہیں گے“

مدیرِ مرحوم کا قابلِ مبارک باد جذبہ

ان کا مذہبی جذبہ قابلِ مبارکباد تھا میں اس میں اپنے

آپ کو شریک سمجھتا ہوں جس پر مجھے ناز ہے۔ وہ اپنے نزدیک اسلام کا ایک خاص تصور رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک معیار مقرر کر رکھا تھا اس معیار سے کسی کو ہٹنا دیکھتے یا افرنگیت کے زہر آلود رسم و رواج میں کسی کو مبتلا پاتے تو کانپ اٹھتے تھے۔ وہ محسوس کرتے کہ اسلامی تصورات میں غیر اسلامی تصورات کو لانے کی کوشش کی جا رہی ہے تو اس وقت تلووار بن جاتے تھے۔ یہ مبارک ترین صفت تھی جیسا کہ نواب اکبر یار جگ نے فرمایا۔ ان کا یہی اصول ایک طرہ امتیاز تھا۔ اس مذہب کی رو میں انہوں نے ملک کے عام مسائل نظم و نسق اور مفاد عامہ کی تحریکات میں اسی طرح قدم اٹھایا جس طرح ایک ہمدرد وطن کو چاہیے تھا۔

گفتگوئے مفاہمت میں مرحوم کا حصہ

میں جس وقت مٹرزنگ رائو سے گفت و شنید کر رہا تھا دستخط کنندگان میں ان میں سے ایک مرحوم بھی تھے گفتگوئے مفاہمت میں سب سے زیادہ حصہ مرحوم کا تھا۔ ان میں ایک تڑپ تھی۔ انہوں نے معافی کے ساتھ مشورہ دیا کہ آگے بڑھنا چاہیے جس طرح ہو سکے اچھے شرائط پر مجبوتہ ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد ایک اور کوشش

ہوئی جن کے نام اس پلیٹ فارم پر لینا میں اہم نہیں سمجھتا۔ کچھ کانڈا لائے مسودات تیار ہوئے، جدوجہد شروع ہوئی جس میں ہماری دوسری کمیونٹی کی جانب سے پشت رانا چاری صاحب کا زیادہ حصہ تھا۔ سید احمدی الدین بھی ایک بے پناہ جذبہ مفاہمت کے ساتھ میرے پاس آتے رہے اور ایسے شرائط پر سمجھوتہ کے لیے مجبور کرتے رہے کہ دونوں فرقوں میں باہمی سمجھوتہ ہو جائے۔ غرض کہ احمدی الدین کا مقام بہت بلند تھا۔ میری باتیں گفت و شنید کی حد تک محدود رہتی تھیں اور احمدی الدین کی باتیں تحریر میں آکر سند ہو جاتی تھیں۔

احمدی الدین کی یادگاریں

اب میں احمدی الدین مرحوم کی یادگاریں کے قیام سے متعلق آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں ایک صاحب جن کا نام صفی ہے جو غالباً نظام آباد کے باشندے اور آج کل بلدیہ میں مقیم ہیں انھوں نے پہل کی بیرے ہاں ایک چندہ سمیٹا اور خواہش کی کہ مرحوم کی کوئی اچھی یادگار قائم کی جائے اس چندے کو ان کے بھائی مولوی یوسف الدین صاحب کے ہاں روانہ کر دیا جب اس چندہ کا اعلان ہوا تو خطوط کی بھرمار ہو گئی متعدد تحریکیں وصول ہوئیں میں نے اپنے آپ کو مرحوم کے بعد ان کے متعلق مسائل

پر سوچنے کا فردِ کل کی حیثیت سے موزوں نہیں پایا۔ اس عرصہ میں چند نوجوان دوستوں نے کام کا آغاز کیا۔ امام بیگ صاحب روف نے دارالمطالعہ "احمد محمدی الدین" قائم کیا۔

کتب خانہ نامہ ملی میں تقریری مقابلوں اور تعلیم بالغان کا انتظام کیا گیا۔ گو یہ یاد دھاریں ہیں لیکن ان کو میں کوئی مناسب تجویز نہیں سمجھتا۔ میں چاہتا ہوں کہ جن نوجوانوں نے آج کے جلسہ کا انعقاد کیا ہے وہ ایک فیض اور اخلاصیت کی صورت میں یادگار قائم کرنے ایک کمیٹی تشکیل دیں۔ ایک جگہ جمع ہو کر سوچیں اور کسی یادگار کی داغ بیل ڈالیں۔

آپ کا فرض

حقیقی یادگار تو یہی ہے کہ ہم ان کے مسلک پیدا کی ہوئی بیداری، پیدا کیا ہوا شعور اور ان کے بتلائے ہوئے طریقہ کار سے روشنی حاصل کریں۔ جیسا کہ شمع سے شمع جلتی ہے۔
 ”رہبر“ کے ذریعہ انھوں نے ایک شمع روشن کر دی۔
 اس شمع سے آپ کا فرض ہے کہ دوسری اور شمعوں کو جلاتے جائیں۔ احمد محمدی الدین سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی اولاد

بھائیوں، عزیزوں، رشتہ داروں سے زیادہ ان کے ”رہبر“
 سے محبت کریں۔ جس کے ذریعے ہم ان تک پہنچے اور انہوں نے
 جس کی وجہ سے ہمارے قلوب میں جگہ پائی اور ملت اسلامیہ
 میں ایک زندگلی پیدا کر دی۔ اس جلسہ کو ماتمی نہیں میں تشکر
 کا جلسہ تصور کرتا ہوں۔

من لم يشكر الناس من له بشكروا الله
 ہمارا فرض ہے کہ جو چیز انہوں نے ہم تک پہنچائی اس
 کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں۔

مولوی سید احمد محی الدین

۱۴ فروری ۱۹۴۲ء کو زمرد محل میں دکن کے مشہور و
مقبول اخبار رہبر دکن کے صفحات عالیہ سے متصف مدیر
جناب مولوی سید احمد محی الدین صاحب کے انتقال پر
... پر تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں نواب صاحب
نے تقریر فرمائی تھی۔ (موجب روئداد اخبار رہبر دکن
۱۵ فروری ۱۹۴۲ء)

غالب نے کہا ہے۔ 'نالہ پابند نے نہیں ہے' میری تقریر میں
آج آپ کوئی نے نہ پائیں تو مجھے معاف فرمائیں۔ سید احمد محی الدین صاحب
دنیا کے سارے انسانوں کی طرح پیدا ہوئے جس طرح سب کو
گزرنا ہے وہ گزر گئے ہیں ان کو اتنے ہی زمانے سے جانتا ہوں
جتنی رہبر کی عمر ہے اس عرصہ میں ان سے بعض اختلافات رہے
ہماری زندگی اس عرصہ میں چند مستحکم متفقہ اصولوں اور ناقابل انفسار
راستوں سے گزری ہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ وہ نیک

مستحق عبادت گزار تھے حقوق اللہ و حقوق العباد کو پوری طرح انجام دیا
ان کی بخشش کے متعلق شبہ اور اندیشہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ خدا ضرور
بخشنے کا اور وہ بخشنے کے ہوں گے۔

ہم آج اس لیے جمع نہیں ہوئے ہیں کہ خدمات کے اعتراف
کا تحفہ پیش کریں بلکہ ہم کو جو رنج اور نقصان غظیم پہنچا ہے اس پر اپنے
آپ کو پرسہ دیں ایک دوسرے سے مل کر ماتم کریں۔ لڑکوں نے شفیق
باپ کو کھو دیا، بھائیوں نے بازو کو توڑ لیا، صحافت کے علمہ نے ایک مشفق
و ہمدرد بلا دست کو کھو دیا اور ہم نے (۲۲) سالہ خدمت گزار کو کھو دیا
ہے ہمارا نقصان ان کے بچوں، بھائیوں سے کم نہیں تین دن سے میرے
ہاں تعزیتی خطوط اور تار وصول ہو رہے ہیں میرے یہاں جنھوں نے تعزیت
بجھی ہے انھوں نے غلطی نہیں کی جتنا نقصان مجھے پہنچا ہے وہ شاید کسی
کو پہنچا ہو۔ میں سید احمد علی الدین کی وفات پر اپنے آپ کو پرسہ دیتا ہوں۔
مجھے انتہائی صدمہ ہے کہ میں نے ایک مدبر، مستقل مزاج اور نڈر
صحیفہ نگار کو کھو دیا جس نے وہ زمین تیار کی جس پر بیج بکھیر کر فصل کاٹی
اور میں ہل چلا رہا ہوں۔ خدا سید مرحوم کی روح کو اپنی بارگاہ
میں تقرب عطا فرمائے۔

مرحوم صحافت میں خاص مسلک اور اصول رکھتے تھے ان کے

نزدیک سب سے پہلے تعلیمات اسلامی کا تحفظ تھا ان میں ایک کمزوری یہ تھی کہ اگر کسی زبان کسی کے قلم سے تعلیمات اسلامی کے خلاف کوئی جملہ نکلتا تو اس کا پوری شدت سے مقابلہ کرتے تھے یہی ان کے غزم اور استقلال کی دلیل تھی۔

ان میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ سلطنت اسلامیہ آصفیہ کا اپنی یہ خصوصیات کے ساتھ تحفظ چاہتے تھے تاکہ یہ اسلامی سلطنت اپنی خصوصیات کا محفوظ رہے ملک کے بعض جبری اور فداکار اصحاب سے اپنی فدایات کو سپرد کر کے مضامین کی اشاعت کراتے تھے۔ مضامین کا ہر پرچہ شائع کرنا اور اس پر مستقل مزاجی سے اڑے رہنا احمد محی الدین صاحب کی خصوصیت تھی۔

ان کی ایک اور خصوصیت خانوادہ آصفی سے وابستگی تھی انہوں نے اس سلسلہ میں پورا پورا حق ادا کیا یہ خصوصیت ہر پرچہ میں نمایاں تھی۔ میرے ساتھ احمد محی الدین صاحب نے ہر موقع پر کام کیا ہے۔ وہ بلدیہ میں تین سال تک ہمارے ساتھ کام کرتے رہے بلدیہ میں نمائندگی کرتے ہوئے انہوں نے اپنی رکینت کا تحفظ نہیں کیا۔ حکومت سے نامزد ہونے کا خیال نہیں کیا ان کے پیش نظر خدمت تھی اور انہوں نے مستقل مزاجی سے کام کیا انہوں نے

مجلس اتحاد المسلمین کے مسلک کو سوچ سوچ کر قبول کیا تھا اور پوری قوت سے اس کی تائید میں حصہ لیتے رہے۔

(۴۶) سال کی عمر میں جب کہ ان کی ضرورت تھی ہمارا ساتھ چھوڑ کر انھوں نے مفارقت اختیار کی۔ ہمارا بازو مفلوج ہو گیا قلب کو مجروح اور ہتھوں کو توڑ دیا۔ خدا ہم میں ان کے جیسے آدمی پیدا کرے۔

تقریب کے سلسلہ میں اکثر لوگوں نے بیانات دیتے ہوئے ستائش کی بعض کے بیانات مجھے اچھے نہیں معلوم ہوئے مثلاً یہ کہ وہ فن تشہیر کے ماہر تھے میں سمجھتا ہوں کہ تشہیر کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس کے ذریعہ دوسروں کو فسروں کا رخ دیا کرتے تھے دوسروں کے رخ میں اپنے آپ کو انھوں نے فروخت نہیں کیا۔

ان کے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ وہ تجارتی انداز پر اخبار چلاتے تھے اگر تجارتی انداز پر اخبار چلایا تو بڑا اچھا کیا ورنہ ان کا وہی حشر ہوتا جو اخبار وقت کا ہونا ایسے زمانہ میں تجارت کے اصول پر ہی چلانے کو میں بہت بڑا کمال سمجھتا ہوں۔ ہماری دعائیں اگر بارگاہ رب العزت میں کوئی حیثیت رکھتی ہیں تو ہم سب کی حدائیں ممکن ہے اہم سے خطائیں ہو ہی ہوں لیکن ان کے پیش نظر غور سے

رسول تھے۔ ہماری دعاؤں کو قبول فرمایا اور مرحوم کو جوارِ رحمت میں
 جگہ عطا فرمایا۔ مسلمانو! قدر یہ ہے کہ رہبر کو کبھی نقصان نہ پہنچے۔
 اور احمد علی الدین کی زندگی سے زیادہ رہبر ہمارا محبوب ہے۔ رہبر
 آنکھوں کا تارا، دل کا سرور اور ان کی نشانی ہے۔ بچوں اور
 بھائیوں سے زیادہ اس کو محبوب سمجھا جائے (اس کے بعد قائد
 ملت رونے لگے۔ یہ فرما کر تقریر ختم کی کہ میں خیالات کے اظہار کے
 قابل نہیں ہوں آپ سے رخصت ہوتا ہوں خدا حافظ اس کے بعد سارا
 اجتماع آبدیدہ ہو گیا۔ صدر جلسہ نے مدیرِ مرحوم کے بچوں کا تعارف کرایا۔

ہوائی حملوں سے بچاؤ

دوسری قرارداد پیش کرتے ہوئے حضرت قائد ملت نے
۱۵ مارچ ۱۹۴۲ء کو یہ تقریر (دوران جنگ غلیم) فرمائی تھی
(بحوالہ برہمزد کن ۱۶ مارچ ۱۹۴۲ء)

خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے وقت کا صحیح احساس عطا
فرمایا۔ وہ قومیں جو وقت کا صحیح اندازہ نہیں کرتیں وہ جلد بھانپ کا شکار
ہو جاتی ہیں۔ آج سے دو ہینہ قبل جب کہ جنگ کے بادل ہندوستان
سے قریب اور سنگاپور کے نزدیک پہنچتے جا رہے تھے اس وقت میں
نے وقت کا احساس کر کے مجلس اتحاد المسلمین کے خطبہ صدارت
میں بمقام جالندہ اس کا اظہار کیا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ساری
کشاکش کو ختم کر کے ہم وقت کی اہم ترین ذمہ داری کو ختم کر دیں یہاں
اختلافات بھی اسی طرح ہیں جس طرح کہ بعض اختلافات جزو زندگی
ہو جاسکتے ہیں مگر اس کا یہ وقت نہیں۔ پہلے اس مصیبت سے
نبٹ لینے کے لیے ہم نے ان کو بالائے طاق کر دیا ہے اور ہم نے

یہ طے کر لیا ہے کہ کسی سیاسی کشمکش کو اہمیت نہ دیں گے ممکن ہے کہ حیدر آباد کی فضا پھر ایک ہو جائے اور پھر دیدہ صاحب اور میں الجھنے لگیں اور پھر دائمی تعاون کی صورت پیدا ہو جائے۔

ہم اس مشکل کو مشترکہ طور پر برداشت کریں گے اور اس کو اپنے ملک سے دور رکھیں گے۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم سب مل کر کرانے والی آفتوں کا مقابلہ کریں اور ایک دوسرے سے مل کر ایک آہنی اور مضبوط دیوار بن جائیں۔ آنے والی مصیبتوں کے وزن کو گھٹادیں اور ایک ہو کر یہ بتلا دیں کہ ہمارے بلند غزائیم میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتے۔ اس وقت آپ کو اپنی ایک اہم ضرورت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ مشکلات سے آپ کو واقف رکھنے کے لیے آپ اپنے غامدوں کی ایک جماعت کو منتخب کریں جو آپ کے جذبات کی ترجمانی کرے گی اور صدر اعظم یہ اجلاس کوئٹہ سے مل کر حکومت کے ساتھ ہم کیا تعاون کر سکتے ہیں اس سے واقف کرائے گی اور خود آپ کو با اختیار بنانے کی کوشش کرے گی۔

سائنس اور تہذیب کی بڑھتی ہوئی رفتار کو دیکھ کر کہ

کس طرح دنیا تباہی و بربادی کا شکار ہو گئی کئی سال پہلے ہندوستان کے حکیم و فلسفی شاعر علامہ اقبال نے انجام کا اچھی طرح

پتہ لگالیا تھا اور صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ۔

دیارِ مغرب کے رہنے والوں خدا کی بستی وکان نہیں ہے

جس قوم نے اپنی تہذیب کو آج اپنی حفاظت میں نہیں

رکھا وہ تہذیب آج اپنے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہی ہے

ان کی تباہی برحق، ان کی بربادی برحق لیکن آپ کا خوف و

ہراسیں ناحق۔ جب دنیا کے بسنے والے خدا سے ڈرنا چھوڑ

دیتے ہیں خدا کی کائنات کا ہر ذرہ ان کو ڈراتا ہے لیکن جب

خدا سے ڈرتا ہے تو کائنات ارض و سما اس سے ڈرنے لگتے ہیں

جو سب سے بڑا انٹی ایرکرافٹ گن ہے اس کے داس کو جو تھا ما اس

پر کوئی آفت ضرب نہیں لگا سکتی پھر دیکھو کہ دنیا کی ساری بلائیں مرج ہیں

دنیا والو! مے گر گھر میں مجھ کو ناراض کر کے جب کوئی

نہیں رہ سکتا تو پھر اس کو راضی نہ رکھو گے تو اس دنیا میں تم پر

خواریاں آئیں گی اور عذاب آئیں گے۔

مصیبت کا آنا برحق ہے لیکن ہر سال اور ہر شان ہونا

انسانیت کی شان سے گری ہوئی چیز ہے۔ اس وقت ہم کو مستقل

مزاجی سے مشکلات پر قابو پانا ہے۔ اس وقت ہم کو ایک ہر

سکام کرنا چاہیے۔ مشرویدہ نے صحیح کہا کہ دشمن کا گولہ جب گرتا

ہے تو وہ نہ مسلمان کا گھر دیکھتا ہے اور نہ ہندو کا تو پھر
 تم کو اس سے واقف ہو کر میدانِ عمل میں گامزن ہونا چاہیے۔
 ہر مسلمان کا فرض ہے کہ مصیبت کے وقت ہر ایک کے لیے اپنا
 دروازہ کھلا رکھے خواہ وہ ہندو بھائی ہوں یا کوئی اور۔
 مجھے توقع ہے کہ آپ ضرور اس قرارِ داد کو منظور کریں گے۔

شعبہ تعلیم القرآن دارالمطالعہ ناپلی کا افتتاح

حضرت قائد ملت کی تقریر

حضرت قائد ملت کی خدمت میں دارالمطالعہ عام ناپلی کی جانب سے ۱۷ مارچ ۱۹۲۳ء کو سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ اس دارالمطالعہ کے شعبہ تعلیم القرآن کا افتتاح بھی اس موقع پر حضرت قائد ملت کے مبارک ہاتھوں سے ہوا۔ افتتاح سے قبل حضرت قائد ملت نے جو تقریر فرمائی وہ درج ذیل ہے۔ (۱۸ مارچ ۱۹۲۳ء ریسرڈن)

سارے کمان دارالمطالعہ و کتب خانہ ناپلی، نواب ممتاز الدولہ

مہارو و حاضرین

حضرات! اس سے قبل کہ میں پیش کردہ سپاسنامہ کا تفصیلی

جواب دوں میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب خانہ و دارالمطالعہ کی بنیاد کے بارے میں کچھ عرض کرتا چلوں۔ یہ کتاب خانہ غالباً آج سے سات سال قبل اسی مقدس مقام سے قریب ایک ملگی میں کھولا گیا

تھا۔ اس وقت اس ادارے میں ایک قندیل اور چند پرانے رسائل
 تھے اور یہ اس کی کل کمائات تھی۔ اس دارالمطالعہ کو دیکھنے کے لیے
 مولوی فصیح الدین صاحب نے مجھ سے خواہش کی تھی اور میں نے
 ان کی خواہش پر اس دارالمطالعہ کو اس کے ابتدائی منازل میں دیکھا
 تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس وقت مقام دارالمطالعہ کو
 جہاں وہ قائم ہوا تھا غیر موزوں بتلاتے ہوئے قصاب کی لنگی سے
 تشبیہ دی تھی لیکن آج جب کہ میں کتاب خانہ کو ایک نہایت شاندار
 محاسن باقاعدہ تنظیم کے ساتھ دیکھتا ہوں تو میری حیرت کی کوئی انتہا
 نہیں رہتی میری دعا ہے کہ یہ ادارہ اور ترقی کرے اور مسلمانوں کی
 خاطر خواہ خدمت انجام دے۔

میں جب اس کتاب خانہ کے کارکنوں پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے
 تعجب ہوتا ہے کہ کارکن اس ادارہ کی کس قدر غلو میں اور محبت سے
 خدمات انجام دے رہے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس
 ادارہ کے کارکن قومی خدمات انجام دینے میں دیوانے بنے ہوئے
 ہیں۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اس وقت کتاب خانہ کے تحت
 حسب ذیل شعبہ جات قائم ہیں۔

۱۔ شعبہ دارالمطالعہ۔ ۲۔ شعبہ تعلیم بالغان۔ ۳۔ شعبہ تعالیم

۳۔ شعبہ احمدی الدین تقریری مقابلے۔

مقام مسرت ہے کہ شعبہ دارالمطالعہ میں پڑھنے والوں کا اوسط روزانہ ایک سو سے زائد ہے۔ اور اخبارات و رسائل کی تعداد بھی تقریباً ملکہ کرنے والوں کے اوسط کے برابر ہے۔ مجھے ہمیشہ دو دارالمطالعہ میں ناز رہا ہے، اور فخر سے میں ان کا نام لیتا ہوں۔ ایک دارالمطالعہ تو ضلع نانہ ٹیر کا ہے۔ اور دوسرا دارالمطالعہ ناسلی ہے۔ اخبارات اور رسائل کی کثرت و تنوع کے اعتبار سے یہ مطالعہ گھر ملک کا بہترین دارالمطالعہ ہے۔

۲۔ شعبہ تعلیم بالغان۔ اس کو قائم ہو کر دو سال کا عرصہ ہوتا ہے اور اس عرصہ میں سپانجام کے بموجب (۵۵) ان ٹیرہ لڑکوں کو ٹیڑھا سکھا دیا گیا ہے۔ میرے خیال میں اگر شعبہ تعلیم بالغان اپنی پوری زندگی میں (۵) ان ٹیرہ بالغوں کو بھی ٹیڑھا لکھا سکھادے تو میں اس شعبہ کا بڑا کارنامہ تصور کروں گا۔

مبارک ہیں اس شعبہ میں کام کرنے والے کارکن اور اس شعبہ میں ٹیڑھانے والے صدر مدرس جن کی انتھک کوششوں کا یہ ثمرہ ہے کہ اس سال الی کے نتائج سو فی صد رہے اور اس وقت چالیس بالغ زیر تعلیم ہیں۔ یہاں میں میرے جس خط کا حوالہ دیا گیا ہے مجھے

اس کا اعتراف ہے میں بیشک تعلیم بالغان کی اسکیم سے بائوس ہوں مکن ہے کہ میرے لیے ایسے وسائل فراہم نہ ہو سکے جسے کہ مولوی فصیح الدین صاحب کو حاصل ہوے۔ اس لیے میں اس اسکیم سے بائوس ہوا اور مولوی فصیح الدین صاحب کو کامیابی ہوئی۔

۳۰۔ تیسرا شعبہ شعبہ تقلید ہے اور اس شعبہ کے بارے میں مجھے کچھ کہنا نہیں ہے اس لیے کہ جس طرح دنیا میں ہر شرابی یہ چاہتا ہے کہ تمام دنیا شرابی ہو جائے اور جس طرح ہر افیونی کا خیال ہوتا ہے کہ تمام دنیا افیونی بن جائے، اسی طرح ہر مقرر کا خیال ہوتا ہے کہ تمام دنیا مقرر بن جائے۔ یہاں میری اپنی آپ تعریف ہے بڑی خوشی ہوئی یہ معلوم کر کے کہ اس شعبہ میں ہمارے تقریری مقابلوں کا انتظام کیا گیا ہے اور اہل محلہ کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔

۳۱۔ شعبہ احمد علی الدین تقریری مقابلے کا قیام حال ہی میں عمل میں آیا ہے۔ مولوی فصیح الدین صاحب کا یہ بھی ایک بہت اچھا کارنامہ ہے۔ میں نے اس شعبہ کی جو کچھ بھی مدد کی ہے وہ نتیجہ ہے مولوی احمد علی الدین صاحب مرحوم ایدہ تر رہبر دکن کی میرے ساتھ ہمدردی و محبت کا آئندہ سال جس طریقہ سے ان یادگاری تقریری مقابلوں کے انعقاد کا انتظام کیا جا رہا ہے

اس سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ میں اپنی پوری ہمدردی سے حاضر رہوں گا۔

جن شعبوں کے قیام کی اسکیم کتاب خانہ کے پیش نظر ہے وہ سبھی قابل صد آفرین ہے۔ خصوصاً شعبہ ورز شس مہمانی شعبہ توسیعی تقاریر اور شعبہ تفسیر قرآن پاک۔ ان شعبوں کے افتتاح پر مولوی فصیح الدین صاحب میری امداد اور تعاون کا پورا پورا یقین رکھیں۔

سپانامہ میں بار بار ذکر آیا گیا ہے کہ میں نے اس کتاب خانہ کی بہت کچھ مدد کی ہے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن اس میں بھی فصیح الدین صاحب کا مشکور رہوں جو میری نفیات پر غالب ہو کر مجھ سے کام لینے کے طریقوں پر عمل پیرا ہوئے اور انہوں نے میری امداد حاصل کی۔

حضرات! شعبہ تعلیم القرآن جس کے افتتاح کی خواہش فصیح الدین صاحب نے مجھ سے کی وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ فصیح الدین صاحب کو اس شعبہ کے افتتاح کا بہت دیر بعد خیال آیا کاش وہ اس شعبہ کے

افتتاح کی جانب بہت پہلے توجہ کرتے تاکہ اس شعبہ کے
صدقہ میں کتاب خانہ میں برکت ہو۔

بہر حال ان گنت کارہاتوں سے اس شعبہ کا افتتاح
ہو رہا ہے۔ خدا اس شعبے میں روز افزوں ترقی دے۔ بکار کنا
دارالمطالعہ و کتب خانہ کو بہت عطا کرے تاکہ اس کی ترقی میں
کوئی کمی یا کسر اٹھنا نہ رکھیں۔ خدا اس گنت کار کی عزت رکھے
جو اس شعبہ کا افتتاح کر رہا ہے۔

اردو

نواب صاحب نے مجلس ادب اردو جامعہ ناگپور کے زیر اہتمام منعقدہ جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کی انتہائی مختصر روئے اد ۱۹۴۲ء کے برہمہدکن میں شائع ہوئی ہے، اس روئے اد میں نواب صاحب کے دو چار کلمات پڑھنے کو ملتے ہیں۔

زبان اردو کو آپ نے مشترکہ تہذیب کی دوسری سب سے بڑی میراث قرار دیتے ہوئے پرزور طریقہ سے یہ اعلان کیا کہ زبان اردو کو غیر ملکی زبان قرار دینا بیسویں صدی عیسوی کی سب سے بڑی دھوکہ دہی ہے۔ فن خطابت پر اظہار خیال کرتے ہوئے قائد ملت نے اپنے ان تجربات کی وضاحت فرمائی جو اس زمانہ سے انھیں حاصل ہو رہے ہیں جب کہ وہ صرف (۷) سال کے تھے۔ لسان الامت نے اس فن کے سارے نکات بیان کیے

اور یہ بتلایا کہ ایک خطیب کی نہ صرف شخصیت ہی اثر کرتی ہے بلکہ زبان، محاورے، بندش طرز بیان اور طریقہ تفہیم بھی ضروری اور لازمی ہے۔

قائد ملت کی تقریر پر مولانا خاٹکوش رکن مجلس عاملہ کل ہند ریاستی مسلم لیگ (مجموعیہ) نے تقریر کے دوران حضرت قائد ملت نے فرمایا۔ مٹر گاندھی جیسے مدبر نے یہ بالکل درست کہا کہ حامیان اردو کو چاہیے کہ ہندی سیکھیں۔ ایک دفعہ مٹر گاندھی نے مجھے ہندی میں خط لکھا تھا جس کا میں نے اردو میں جواب دیا۔

اردو

”اردو زبان“ پر قائد ملت کی یہ تقریر سالہ ہماری کتابیں
(مدیر علی شہر ہاشمی، مارچ و اپریل ۱۹۴۳ء مملکت ص ۱۱)
میں شائع ہوئی تھی۔

ساری تعریف اس خدا کو سزاوار ہے جس نے انسان
کی صورت اور آواز کے ساتھ اس کی زبان کو بھی اپنی نشانی
بنایا اور زبان کے اختلاف میں بہت سی حکمتوں کو پوشیدہ رکھا
انجمن ترقی اردو کی مساعی اور اس کے کارکنوں کے جوش و خروش کی
طرف اشارہ کرتے ہوئے قائد ملت نے فرمایا: علی شہر صاحب حاکمی
ان چند نوجوانوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے اخلاص اور بے ریا
عمل سے میرے دل میں ایک خاص جگہ پیدا کر لی ہے۔ انجمن ترقی
اردو کے لیے انہوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں اپنی جماعت
کے ساتھ سیکڑوں پر دورے کیے صعوبتیں برداشت کیں۔ گشتی
کتب خانہ اور پڑھائی گھر کے ذریعہ وہ زبان کی جو خدمت

کمر ہے ہیں وہ بلاشبہ قابل قدر ہے۔ آج تقریروں اور ڈراموں کے ذریعہ اردو سے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس کے بعد سمجھتا ہوں کہ مزید کسی قسم کے اضافہ کی ضرورت نہیں۔

ہندوستان کی سرزمین جس پر مختلف قومیں آباد ہیں جن کے مختلف تمدن ہیں۔ ہندوستان کی مختلف قومیں آج تک اپنی تہذیبوں اور کلموں کو متحدہ کر سکیں لیکن ہندوستان کسی مقام پر پہنچ کر اگر ایک ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے تو وہ ایک ہی مقام ہے اور وہ اردو زبان کا مقام ہے حقیقت یہ ہے کہ قوموں اور ملکوں کے اختلاف کو دور کرنے اور دوسرے کے نقطہ خیال کو سمجھنے کے لیے اردو زبان عالم وجود میں آئی ہے جو فاضلین ہند سے ہندوستان آئے ان کے لیے ہندوستانیوں کی بولی کو سمجھنا مشکل ہو رہا تھا اور اس مشکل کو حل کرنے کے لیے انہوں نے ایک اچھا طریقہ ایجاد کیا۔ اردو زبان باہر سے لائی ہوئی زبان نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد ہندوستان ہی میں ڈالی گئی ہے۔ اگر آپ اردو زبان کے الفاظ کو سامنے رکھیں اور غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اردو زبان میں عربی، فارسی کے مقابلہ میں ہندی بھاشا کے الفاظ زیادہ ہیں۔ ہر زبان تین کلمات پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسم، فعل، حرف

اگر ان تینوں کے لحاظ سے اردو زبان کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہو گا کہ اردو زبان کے ایک ٹکڑے سے زیادہ الفاظ ہندی بھاشا سے مشتق ہیں۔ اردو زبان کے سرمایہ کا جب یہ حال ہو تو یہ کہنا کہ وہ باہر سے آئی ہوئی ہے کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

سلسلہ مقرر جاری رکھتے ہوئے نواب صاحب نے فرمایا کہ ہندوستان کی تہذیب و تمدن خصوصیات کو اردو زبان میں ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں اس کے دیکھنے کے لیے ہمیں پشت رتن ناتھ شاستری، منشی پریم چند کا لٹریچر دیکھنا چاہیے۔ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے جس عمدگی اور خوبی سے ہندوستان کی تہذیب اور تمدن کی رجحانات کو پیش کیا ہے وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اردو زبان میں جتنی قوت جاوید ہے اور اس میں الفاظ کو اپنے اندر سمیٹ لینے کی جو صلاحیت ہے وہ دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہے۔ اردو زبان کے دروازے کو دوسری زبان کے الفاظ کے داخلہ کے لیے ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے۔ لیکن خواہ مخواہ اردو زبان میں ہندی سفسکرت کے غیر مانوس الفاظ کو نہ داخل کیا جائے اور نہ بالوکلام آزاد اور ان کے تقلید کرنے والوں کی طرح اردو زبان میں تقلید فارسی اور عربی کے الفاظ کی آمیزش کی جائے یہ

عجیب بات ہے کہ جب جرمنی جیسا بدترین دشمن ہندوستانیوں سے مخاطب ہوتا تو وہ اردو کو اپنا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ فقرہ اور اطالیہ کے ریڈیو سے ہندوستانیوں کو اردو میں مخاطب کیا جاتا ہے لیکن افسوس ہے تو یہ کہ جب خود ہندوستانی ہندوستانیوں کو مخاطب کرتے ہیں تو ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جو ان کے لیے اجنبی ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں قائد ملت نے بنارس یونیورسٹی میں جو خطبہ جلیقہ اسناد پڑھا گیا تھا اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے جامعہ عثمانیہ کے ارباب مقتدر کی اردو سے بے توجہی کی طرف اشارہ فرمایا کہ میں اردو کے کعبہ سے کہہ رہا ہوں کہ وہاں کفر پھوٹ رہا ہے۔ پروفیسر مارون خاں شروانی جہاں آپ اردو پڑھانے کے لیے آئے تھے وہاں اردو کے گلے پر چھری پیچری جا رہی ہے۔ صدارت عظمیٰ سے گشتی جاری ہونے کے باوجود مسجلی جامعہ عثمانیہ کے دفتر سے خط و کتابت انگریزی میں ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ چند انگریزی حکام یہاں آئے اور انہوں نے انگریزی میں نوٹ پیش کرنے پر مجبور کیا۔ ان کے ساتھ ہی چند ایسے افراد جو پروردہ آغوش

انگریزی تھے اس طرح انگریزی میں عمل کرنے لگے ان کا
 قلم سیدھی طرف چلنے کے بجائے الٹی طرف سے چلنے لگا۔ گویا
 الٹی لکھا بننے لگی۔ میں حکومت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ
 اپنی پیشانی سے اردو کے قتل کا دھبہ مٹائے اور اردو کو صحیح
 معنوں میں اردو بنائے۔

فَنِ خُطَابَت

طلبہ سے قائد ملت نواب بہادر یار جنگ کا خطاب

لسان الامت نواب بہادر یار جنگ نے انجمن اتحاد طلبہ انٹرمیڈیٹ ورنگل کے زیر اہتمام ”فن خطابت“ کے زیر عنوان جن گرام قد ریشالت کا اظہار فرمایا تھا۔ وہ تقریر ورنگل کالج کے میگزین میں شائع ہوئی تھی جو ہدیہ ناظرین ہے۔

معزز حضرات! عزیز دوستو و طالب علمو! سب تعریفیں اس قادر مطلق کے لیے سزاوار ہیں جس نے اس کائنات کو ہمارے لیے پیدا کیا۔ حمد و ثناء سب اس کے لیے ہے جس نے ہم کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرمایا۔ ہاں تو حضرات! صدرِ کلید نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں اس جلسہ افتتاحیہ میں ”فن خطابت“ پر تقریر کروں اور اس مقصد

سے میں آج آپ کے روبرو حاضر ہوا ہوں۔

حضرات انسان کی عطا کی ہوئی قوتوں میں سے قوت گویائی ایک قوت ہے جس کی لذت سے ہر انسان اچھی طرح واقف ہے جس شخص میں گویائی نہیں وہ قدرت کی عطا کی ہوئی ایک لذت سے محروم ہے میں یہ کہتا ہوں کہ ہر شخص اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہے اور اس کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ وہ اپنے خیالات کو دوسروں کے روبرو پیش کر کے دلوں میں حاصل کرے مگر اس کا یہ سیرایہ بیان اور اس کی قوت گویائی اس کے اظہار خیال کے مانع ہوتی ہے جو اس کے آگے بڑھتے نہیں دیتی۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا ہے مگر اس کے عقل و ذہن میں الفاظ کا ذخیرہ نہیں محاورات یا وہ نہیں جس کے سبب اس کے منہ پر اور قہمی خیالات کا پورا پورا اظہار یا اثر سامع پر نہیں پڑتا۔ یہی سبب ہے کہ باوجود اچھے خیالات کا ایک زریں ذخیرہ رکھتے ہوئے ناکام منہ پر کہلاتے یا مستحق ہوتا ہے اس لیے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ خیالات رکھنے والا منہ پر یا خطیب اپنی تقریر یا خطبہ میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جس زبان میں تقریر یا خطبہ کر رہا ہو اس زبان کے الفاظ و محاورات کا ذخیرہ اپنے دماغ میں محفوظ نہ رکھے۔ الفاظ و محاورات کا صحیح استعمال رات دن لغتوں کے مطالعہ یا رٹنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ مختلف

کتابوں کے مطالعہ اور قسم قسم کے ادبی ناولوں سے حاصل ہوتا ہے اور کوئی نقطہ یا محاورہ اس وقت تک اپنا موکر نہیں رہ سکتا جب تک کہ خود ایک مرتبہ اس کا صحیح استعمال نہ کر لیں۔ میرا خیال ہے بلکہ تجربہ ہے کہ جب الفاظ یا محاورات کو رٹ رٹا کر ضبط ذہن کرنا چاہیں تو وہ ہرگز ہمارے نہیں ہوتے وہ بہت جلد ہمارے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔ مگر ایک مرتبہ کا صحیح استعمال اس لفظ یا محاورہ کو آپ کا کردیتا ہے اور اس کو آپ ہرگز ہرگز نہیں بھول سکتے۔ مگر یاد رہے کہ جب تک محاورہ یا لفظ کا استعمال اچھی طرح نہ معلوم ہو جائے اس کو استعمال کرنے کی ہرگز کوشش نہ کیجئے آپ کا قلب جس وقت مطمئن ہو جائے میں لفظ کو جس پیرائے میں استعمال کر رہا ہوں وہ بالکل صحیح اور درست ہے تب آپ اس کے استعمال کو اپنے اوپر جانز خیال کیجئے کیونکہ لفظ یا محاورہ کا غلط استعمال بعض وقت مضحکہ خیز صورت پیدا کرتا ہے مثال کے طور پر ایک کلمہ صاحبہ کا واقعہ پیش کروں گا۔ مگر وہ کلاما صاحبان سے معافی کی درخواست کرتے ہوئے کہ وہ اس کو برا نہ سمجھیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک وکیل صاحب کے مطالعہ میں "وفات حسرت آیات" کا لفظ آتا ہے۔ ایک زمانہ سے اس لفظ کو استعمال کرنے کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ آخر کار ایک مقدمہ ان کے

ہا تو لگتا ہے جو ایک بکری سے متعلق ہے کہ ٹانگہ سے بکری ٹکڑا جاتی ہے
اور یہ مقدمہ حج کے روبرو پیش ہوتا ہے وکیل صاحب نفس مقدمہ کا اہل
حج کے روبرو دلول کرتے ہیں کہ سرکار جو مقدمہ اس وقت عدالت میں
پیش کیا جا رہا ہے وہ ایک بیچارہ غریب بکری سے متعلق ہے جس کی وفات
حسرت آیات ایک ٹانگہ کے تصادم سے واقع ہوئی ہے۔

اب آپ نے دیکھ لیا کہ ایک لفظ کا غلط استعمال کس قدر
مضحکہ خیز ہو گیا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لفظ یا محاورہ کا استعمال بر
نحل ہو ورنہ مقرر بجائے اپنی تقریر سے سامع پر اثر ڈالنے کے
خود سامع کے رعب میں آجاتا ہے۔

حضرات! آپ کے ذہن میں تازہ اور عمدہ الفاظ و محاورات
کا ذخیرہ موجود ہے اور آپ ان کا صحیح طور پر استعمال بھی جانتے ہیں
مگر آپ کا لہجہ درست نہیں تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ
ہرگز ہرگز مقرر کہلانے کے مستحق نہیں۔ صرف ایک ہی جملہ آپ کے لہجہ کے
دل جانے کی وجہ سے بالکل جدا گانہ معنی پیدا کر سکتا ہے مثلاً ایک
جملہ ہے آپ دہلی جائیں گے۔ اگر زید سے عمرو کے دہلی جانے کی خبر
سنار ہے ہیں تو یہ ایک خبر یہ جملہ ہے کہ یعنی عمرو دہلی جائیں گے اور
یہی جملہ اگر آپ کے اپنے دوست سے استعجاب کے لہجہ میں لفظ آپ

کو زور دیتے ہوئے کہیں کہ آپ دہلی جائیں گے یعنی مطلب یہ ہے کہ
 آپ کا اور دہلی جانا ایک تعجب خیز بات ہے نہایت تعجب سے کہا
 جا رہا ہے کہ دہلی جائیں گے جو آپ کے لیے ایک ناممکن اور دشوار
 امر ہے۔ یا آپ کی استطاعت سے یہ باہر ہے کہ آپ دہلی جائیں۔
 اب یہی جملہ استفہامی طرز میں کسی سے مخاطب ہو کر پوچھا جا
 کہ آپ دہلی جائیں گے تو اس میں سوال کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں کہ
 کیا آپ دہلی جائیں گے پس آپ نے ان سے معلوم کر لیا کہ کسی جملہ کے
 استعمال میں لہجہ کو بھی بڑا دخل ہے ذرا سے لہجہ کے بدل جانے پر مقرر کی
 تقریر پر ایسا برا اثر پڑ جاتا ہے کہ وہ سامع کے دل سے ہر گز ہٹا سہ
 نہیں ہوتا چنانچہ اس موقع پر میں اپنے ایک دوست کا واقعہ بیان کر دوں گا
 جن کو صرف اپنے لہجہ کی وجہ نہایت اٹھائی ٹھائی میرے اور ان کے درمیان
 ایک مقابلہ کا مضمون دیا گیا تھا جس میں کسی قانون کے مرتب کرنے پر
 بحث تھی آپ نے دوران بحث میں ایک جھٹکے کے ساتھ فرمایا استاذ
 اٹھارہ سال تک چھڑنے کیا کیا۔ پس اس جملہ پر ساری سلسلہ مشتعل
 ہو گئی۔ اب مجھ کو خواہ مخواہ سلسلے کے مخاطب ہو کر ان تمام کو قابو میں
 لا ہا پڑا گو میں انتاہوں کہ آپ کی لیاقت اور قابلیت میں کوئی کلام
 نہ تھا مگر صرف لہجہ خراب ہونے کی وجہ سے سارا مجمع جھڑک گیا۔

اس جگہ کو آپ یوں ادا کر سکتے تھے کہ بتلایئے ہمارے آقائے کونین
رسالت مآب نے اسٹھارہ سال تک کیسے کیسے غل کیے۔

لہذا تقریر میں لہجہ کو درست رکھنا بھی مقرر کے لیے بڑا کمال
ہے جو اس کی کامیابی کا ایک گڑ ہے۔

حضرات! میں نے مان لیا کہ آپ میں قابلیت بھی موجود ہے
ادبی نقطہ نظر سے آپ کی زبان نہایت سلیس اور لہجہ بھی درست ہے
مگر مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اس وقت تک آپ ایک عمدہ
مقرر کہلانے کے مستحق نہیں جب تک کہ آپ کے پاس معلومات کا ذخیرہ
نہ ہو آپ کی زبان کی خوش بیاہی اور آپ کے لب و لہجہ کا ٹھیک
ہونا گو آپ کے ایک تنگ معلومات رکھنے والے کو تاہ خیال سامع
کی نظر میں ممتاز بنا دے گا۔ مگر ایک عالم فاضل جو معلومات کی گہرائیوں
جا کر کسی مقرر کی تقریر کو مستحکم کر رہا ہو تو وہ ہرگز آپ کی تقریر کو پس نہیں کرے گا تقریر میں
معلومات کا پیش کرنا گو یا آپ کی تقریر میں جان ڈال دیتا ہے بطور معلومات کے
اظہار کے تقریر بے جان ہے لہذا معلومات کا ذوق صرف کثرت مطالعہ
سے پیدا ہو سکتا ہے اگر آپ کسی تقریر کے لیے مدعو ہوں تو ہرگز ہرگز
میری طرح لا پرواہ ہو کر تقریر کے لیے نہ جائیں اس عنوان یا موضوع
سے متعلق ہزاروں قسم کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اچھی طرح عبور

حاصل کر لیں کہ جو دلیل یا واقعہ آپ پیش کریں گے وہ کسی اعلیٰ خیال مدبر عالم کی نظر میں قابل اعتراض نہ ہو۔

حضرات! مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ ایک ایسے مقرر بن چکے ہیں کہ تقریر کی روانی میں ہزاروں قسم کے جستہ الفاظ و محاورات صف بہ صف چلے آتے ہیں اور ان کی نشستیں نگینوں کی طرح یا مرصع جڑی ہوئی ہیں لمحہ محلی بہت درست ہے اور معلومات کا اظہار بھی بخوبی ہو رہا ہے مگر وہاں غلطیوں اور بعض مقررین کی طرح طرز بیان میں بے ترتیبی ہو تو آپ کی تقریر بے مطلب اور بے معنی ہو جائے گی آپ نے سنا ہے کہ واعظ اپنے وعظ میں آیات قرآنی اس تیزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں گویا کوئی حافظ قرآن اپنا حفظ سنا رہا ہے اور احادیث کی بہتات اس قدر ہوتی ہے کہ سامع فی الوقت یہ سمجھتا ہے کہ وعظ سننے میں بلکہ مدرسہ نظامیہ میں احادیث کا درس لینے آیا ہے۔ مگر اختتام وعظ پر وہ یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یوسف و زلیخا میں کیا رشتہ تھا یا اپنی دکنی مثال میں لیجئے کہ ہیتارا خنجر جی کے کون تھے۔

اب آپ ہی بتلایئے کہ ایسی بے ربط و بے ترتیب تقریر سے سامع پر اداسی نہ چھا جائے یا اس کی طبیعت اکٹا نہ جائے تو کیا ہو؟

اب اگر اس پر کوئی اٹھ کر جانے کا ارادہ کر لے تو یہ کونسی بری بات ہے کہ اس پر روز قیامت کی دھمکی دے کر کہا جاتا ہے کہ محشر میں وعظ کا ادھورا چھوڑ کر جانے کا بدلہ لیا جائے گا۔ مگر میں یہ کہتا ہوں کہ اپنی تقریر میں دلکشی پیدا ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی سامع اٹھنے کا بھی ارادہ کرے۔ جب وہ اپنی تقریروں کی زنجیروں میں جکڑا جائے تو کیا یہ اس کی مجال ہو سکتی ہے کہ ایک قدم بھی آگے بڑھا سکے اس لیے غرض یہ ہے کہ تقریر میں ترتیب اور مربوط کا نہایت سختی سے لحاظ رکھا جائے۔ ورنہ آپ کی تقریر بالکل بے معنی سی ہو جائے گی جس سے سامع بھی بیزار ہو جائے گا اور خود آپ کی طبیعت پر اس کا بڑا برا اثر پڑے گا۔ حضرات! اگر کسی مقرر میں وہ تمام صفات موجود ہوں جو میں نے آپ سے اب تک بیان کیے ہیں مگر اس کی تقریر اس قدر طویل ہو کہ روزانہ ۱۲ گھنٹے مسلسل صرف کرنے پر بھی کہیں سال ڈیڑھ سال میں جا کر ختم ہوتی ہے تو میں یہ کہوں گا کہ ایسی تقریر سامعین کے لیے مفید ثابت نہ ہوگی کیوں کہ کسی سامع کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ایسی تقریر کے لیے دنیا کے سارے کاروبار منقطع کر کے اپنا سارا وقت برباد کر دیں لہذا مقرر کے لیے یہ ایک اہم امر ہے کہ وہ اپنی تقریر میں تین کا فاض لحاظ رکھے اور اس کو تقریر پر اس قدر قابو رہے کہ جہاں

جیسا قابو پائے اپنی تقریر کو گونڈا بڑھا بھی دے جس طرح ربر میں جس قدر کھینچ لینے اور جس قدر ٹھکن ہو گونڈا دینے کا ہمیں قابو حاصل ہے بالکل بھی حال تقریر میں بھی ہونا چاہیے اور یہ ایک مقرر کا کمال ہے کہ جن خیالات کو وہ پیش کر رہا ہے انھیں بلحاظ موقعہ وسعت دے سکے اور پھر انھیں خیالات کو کوتاہی کے وقت میں اس عمدگی کے ساتھ اختصار بھی کر سکے سامعین کو یہ پتہ تک نہ چلے کہ تقریر کو گونڈا دیا گیا ہے ۔۔۔۔ ساتھ ساتھ اس کے میں یہاں مقریرین کی اس خامی کو بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس کے سبب سامعین پر اثر پڑتا ہے کہ ان سے سستی اور کاہلی کے علامات نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ دیکھا گیا کہ اکثر مقرر اپنے بیان کو نہایت عمدگی کے ساتھ پیش کرتے کرتے پانی پینے یا سہ کچھ جانے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس قدر توقف میں چو نکہ سامعین بیکار ہو جاتے ہیں اس لیے ان میں کوئی کھانا سنا، چھینکتا یا کوئی جاتی لیتا ہوا نظر آتا ہے مگر مقرر صاحب اپنی سہولت کی خاطر یا مضمون سوچنے کے لیے اس طرح کا توقف اپنے پر جائز سمجھتے ہیں اور ان کے ہذا نظر سامعین کی یہ بے توجہی و سستی کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔ لہذا میں اس طرح تقریر کے سلسل کو یککوتہ روک دینے یا اپنی سہولت کی خاطر عموماً توقف

لینے کو ہر گز پسند نہیں کرتا کیونکہ سامعین پر جو اثر اس وقت پڑ سکتا ہے وہ تقریر کے اثر کو زائل کر دینے کے لیے بہت کافی ہے۔

دوران تقریر ہی اپنے حرکات و سکنات کو یا موقع ادا کرنا

بھی ایک مقرر کے لیے ایسا ضروری ہے جس طرح کہ اور ہدایات پر کاربند رہنا بھی تقریر میں رقص نہ کیا کیجئے بہت سے مقررین اپنی جوت تقریر کے دوران ایسے ایسے حرکات و سکنات کو گزرتے ہیں جس سے سامع بچائے تقریر کا لطف اٹھانے کے ان کے اس رقص و سرود کے مزے لیتا ہے اس کے یہ بھی معنی نہیں کہ آپ بالکل آسٹینجیون کر صرف مقابل کے سامعین پر اپنی تقریر کا اثر ڈالیں اور جانبین میں کسی کو بھی آپ کی تقریر کا لطف اٹھانا یا سہر نہ آئے بلکہ کہنے کا مقصد ہے کہ آپ اپنی تقریر میں ضرور ہر جانب کے سامعین سے مخاطبت کریں آپ کے ہاتھ لاکریں اور آپ کی آنکھوں کی تیلیاں پھرا کریں مگر با موقع آپ اسی موقع پر ہاتھ بڑھا کر اپنے جذبات کو پیش کیجئے جاں کرنا چاہیے آپ کی آواز اسی وقت بلند ہو جائے کہ ہونا چاہیے آپ کی آنکھوں اور مہول کی حرکات کا بدلنا ضروری ہے مگر با موقع اور محل ورنہ اس کا بے موقع اور بے جا استعمال ایک مضحکہ آمیز طرز پیدا کر دیتا ہے۔

اس کے بعد ایک تجربہ کار مقرر بننے کے لیے ضروری ہے
 کہ مقرر سیکالوجسٹ ہو یعنی علم نفسیات سے بھی واقف ہو کیونکہ جس
 مجمع کے روبرو آپ تقریر فرماتے ہیں ان کی ہزاروں پیشانیوں آپ
 کے روبرو ہیں اور ان تمام کی نظریں آپ پر جمی ہوئی ہیں ان میں سے
 کسی کی پیشانی پر شکن ٹر جانا کسی کا شانوں کو ایک دوسرے سے ملانا
 کسی کا ماتحتی سے اشارہ کرنا اور کسی کا مضحکہ آمیز طرز میں مسکرائنا کسی
 کا کسی کو لہجہ سے اشارہ دینا بہت بڑے معنی رکھتا ہے چنانچہ میں
 نے کسی مذہبی ستر میں ایک نوجوان پارٹی کو دیکھا جو میرے کسی حملے
 کو نہایت غیظ نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے جداگانہ معنی پیدا
 کر رہی تھی فوراً ان کے ان اشارے کنایوں کو میں نے تاثر لیا
 اور اپنی تقریر کا ایسا پہلو بدلا کہ ایک لمحہ بعد ہی ان کے چہروں سے
 وہ بات بالکل باطل ہو گئی جو کچھ وہ پیشتر ظاہر ہو رہی تھی
 اسی سے متعلق میں اسلام کا ایک تاریخی واقعہ پیش کر دوں گا مگر
 غیر مسلم ہجائیوں سے اجازت چاہتا ہوں اس کے اس وقت
 مجھ کو اگر ہندو مذہب و ملت اس واقعہ کے نتیجہ پر غور کیا جائے تو
 میں ایک اچھے قافیہ شناس مقرر کی مثال ملتی ہے جب آنحضرت ایک غزوے
 کے بعد انصار کے مقابلے میں نبی ملکوں کی تقسیم نامہ کے وقت کی ایک یاد دواؤ

زیادہ تقسیم فرما رہے تھے تو انصار کا ایک احسان فراموش طبقہ جس میں ذرا برابر صبر و تحمل نہ تھا یہ اعتراض کر بیٹھا کہ آنحضرت صلعم ہمارے مقابلے میں اپنے ہم وطنوں کی نہایت بے جا طور پر امداد فرما رہے ہیں یہ بات سرکار کے کان تک پہنچی آپ نے حکم دیا کہ تمام انصار جمع ہوں۔ انصار جمع ہوئے اور سرکار نے اس کثیر مجمع کے روبرو تشریف فرما کر نہایت موثرانہ طرز میں انصار سے دریافت فرمایا کہ سچ بتاؤ کہ ہم نے تمہاری کیسی امداد کی؟ کیا ہم نے تمہاری امداد میں اپنی کئی جانوں کو قربان نہیں کر دیا؟ کیا ہم نے تمہارے مصائب میں شریک ہو کر تمہاری ہر تکلیف کو دور کرنے کی جان توڑ کوششیں نہیں کیں؟ تم بے بس و ناامید ہو چکے تھے ہم نے تمہیں پناہ نہیں دی اور کیا ہم نے تمہارے دشمنوں کو پسا کر کے تمہیں ان کے ہاتھوں سے رہائی نہیں دلوائی؟ آپ نے اس بہتر جذبات سے یہ تقریر فرمائی کہ راوی بیان کرتا ہے کہ انصار کا ہر بڑا بڑا شک زار تھا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ان کا غم رسیدہ طبقہ بات کو تاثر گیا اور ان میں سے ہر ایک نے یہ عرض کیا سرکار ہمارے کیا مجال ہے کہ ذرا برابر محبی ایمان فراموشی کر سکیں یہ تو ہم میں سے نادان اور نوجوان طبقہ کا اعتراض ہے ہم اس لیے معافی چاہتے

ہیں تب سہرکار نے فرمایا!

ایک طرف مال و متاع کا یہ انبار لگا ہے اور دوسری طرف
 میں تنہا کھڑا ہوں بتاؤ تم میں سے کون ہے جو صرف اس مال و
 متاع کو چاہتا ہے ان میں سے ہر ایک نے کہا ہمیں مال و متاع کی
 خواہش نہیں بلکہ ہمیں صرف آپ کی اعلیٰ و ارفع ذات کی خواہش
 ہے۔ یہ تمہی سیکالوجی کے مطابق تقریر اور یہ تھا علم نفسیات کے
 ایک تجربہ کار ماہر سہرکار کا انداز خطاب کہ ذرا سی دیر میں باغی بھاؤ
 کا اعتراف کرتے ہوئے معافی چاہتے ہیں۔ اب میں آپ کے روبرو
 ایک ایسی مثال پیش کروں گا جس کو میں نے اس وقت پڑھا تھا
 جب کہ یہ واقعہ میری طالب علمی کے زمانہ میں بطور سبق ایک نصاب
 میٹرکولیشن کی ایک انگریزی کتاب کا انتخاب تھا اور جس کو
 میں نے اس قدر دلچسپی کے ساتھ ضبط ذہن کیا تھا کہ آج
 تک مجھ کو یہ قصہ یاد ہے جب کہ رومنہ الکبریٰ کے دروازے کے قریب
 جو ایس سیزر کا جنازہ لایا جانا ہے اور تمام اہل ملک ہاتھوں میں
 مشعلیں لیے ہوئے جنازہ کو جلانے کے لیے بغاوت کرتے ہیں اور
 اس کے مظالم کی یاد ان کے دلوں میں آگ سے زیادہ مشتعل ہو جاتی
 ہے مگر اس موقع پر تنہا انتونی اس کثیر بافی جمع کے مقابلے میں

نہایت جرات و استقلال سے آکھڑا ہو کر ان تمام کو اپنے طرف
 مخاطب کرتا ہے اور جو پیس کے تعریفوں کو گنواتے ہوئے اس کے
 حریف بروئس کے نقائص اس خوبی سے بیان کرتا ہے کہ جو مجمع جس
 کے جنازے کو آگ لگا دینے آیا تھا وہ اس کی تقریر سے متاثر ہو کر
 بروئس اور اس کے خاندان کو جلادینے پر مستعد ہوتا ہے۔
 یہ ہے ایک تجربہ کار سیکالوجسٹ کی تقریر کا اثر جو باغیوں کے
 پر جوش دلی جذبات کو بھی اپنی مصلحت آمیز تجربہ کاری سے
 نیست و نابود کر دیتا ہے اور ایک لمحہ میں ان کے خیالات اس
 قدر متغیر کر دیتا ہے کہ باغی اپنی بغاوت سے شرمندہ ہو کر صرف
 اس کی تدبیر پر کار بند ہونے میں اپنی عین فلاح و بہبود سمجھتے ہیں
 ان سب خوبیوں کے باوجود بھی بعض وقت مقرر کی طبیعت موزوں
 نہیں ہوتی وہ ہر طرح سے اپنی تقریر کے لیے مستعد ہو کر آتا ہے
 مگر اس کی طبیعت پر ایک قبض پیدا ہو جاتا ہے قبض سے مراد
 وہ نہیں جس کے دور کرنے کے لیے کسی طیب کے نسخہ کی ضرورت
 ہوتی ہے بلکہ قبض سے مراد وہ رکاوٹ ہے جس کو ہمارے معزز
 و کلاء صاحبان اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ پوری طرح اپنے مقدمہ
 کی کامیابی کے لیے تیار ہو کر آتے ہیں مگر جج کے رو برو جس وقت

بحث کرنا شروع کرتے ہیں تو ایسی رکاوٹ اور قبض طبیعت پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان تمام پسینوں کو بیان کرنے سے مجبور ہو جاتے ہیں اور بعد میں انہیں اس پر کف افسوس طنا پڑتا ہے کیوں کہ ہم وہ تمام نظائر و قوانین نہیں بیان کر سکے جن پر کل پوری طرح عبور حاصل کرائے تھے۔ چنانچہ مجھ کو بھی کئی مرتبہ ایسے مواقع پیش آئے ہیں کہ میں پوری طرح اپنے موضوع پر تیار ہو کر جاتا تھا مگر ایسا قبض اور رکاوٹ طبیعت پر محسوس ہوتی تھی جس کے سبب وہ تمام واقعات اور دلائل جن پر میں پوری طرح مادی ہو کر آیا تھا میرے طرز بیان میں آہی نہیں سکتی تھیں، ایسے واقعات مدرسین صاحبان کو بھی بہت وقت پیش آتے ہیں کہ طالب علم کے ایک معمولی سوال کا جواب وہ وقت پر دینے سے مجبور ہو جاتے ہیں طر لہر جا کر ذرا سی دیر میں اس کے مطلب اور تصریح کو اس عمدگی کے ساتھ سمجھ جاتے ہیں کہ انہیں بار بار افسوس ہوتا ہے کہ یہ کونسا اہم سوال تھا جس کا جواب ہم اس وقت دے نہ سکے (مدرسین صاحبان کا ہنسنا) آپ حضرات کو ہنسنا اس لیے آرہی ہے کہ میں آپ کے پوشیدہ رازوں کو ٹیٹول کر بیان کر رہا ہوں۔

ہاں بہر حال کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قبض ایسا قبض ہے کہ جس کی

کوئی دوا نہیں طبیعت پر شگفتگی و تازگی نہ ہونے کے باعث یہ بات
 پیدا ہو جاتی ہے اور اب اپنے خیالات کا پورا پورا اظہار کرنے سے
 مجبور ہو جاتے ہیں۔ حضرات ایک اچھا مقرر بننے کے لیے ان تمام
 صفات کے باوجود ایک اور چیز کی کمی باقی ہے اگر یہاں اس کا کرنا
 بے جا نہ ہو تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ چیز مقرر کی جسمائیت اور وجاہت
 ہے جو اس کی تقریر کا میاب بنانے کے لیے ایک جھٹکا بڑی مدد
 دیتی ہے ایک جسم اور وجہ انسان جب کچھ کہنے کو طرہ ہوتا ہے
 تو خواہ مخواہ ہی لوگوں کا مجمع اس کی طرف مخاطب ہو جاتا ہے مگر
 برخلاف اس کے ہم یہ دیکھیں گے کہ ایک بے تلے انسان کی بلند
 آواز وہیں ڈوب کر رہ جاتی ہے جیسے $\frac{1}{4}$ فٹ لانا لیم
 شحم انسان کا بہت جلد رعب پھیلنے لگتا ہے مگر خیف و کزوا
 شخص کا زبردست موثر طرز اس کے رو برو کچھ کام نہیں کرتا
 چنانچہ میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں میرے ایک ہم جماعت
 دوست سے جو اس وقت وکیل ہیں ہمیشہ تقریر کے مقابلوں
 میں شکست کھاتا رہا۔ مگر اس کا کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا
 کہ آج ان کی موجودگی پر معنی مجھ ہی کو تقاریر میں اختیار حاصل
 ہو رہا ہے یہ صرف ان کی جسمائیت اور روحانیت کی کمزوری ہے

جوان کو مسکے مقابلہ میں اس وقت کامیاب نہیں بناتی
ورنہ یہ ممکن تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ بہتر مقرر کہلاتے لہذا مقرر بننے
کے شوق میں آپ ضرور کچھ جہانیت کو بڑھانے کی بھی کوشش ساتھ

ساتھ فرمائیے اس موقع پر سامعین میں سے ایک معزز صاحب
نے کرسی سے اٹھ کر فرمایا کہ $\frac{1}{4}$ فٹ لائے ہونے کی ترکیب بھی
فرمادیجئے) آپ نے شکریہ کہہ کر منہ سے اچھے سلسلہ کلام کو
یوں جاری رکھا۔ ورنہ بغیر اس کے آپ بہتر مقرر اور اچھے خطیب
نہیں ہو سکتے (مسکراتے ہوئے) ابھی میرے ایک دوست نے فرمایا
کہ وہ ترکیب بھی بتلا دوں جس سے کہ $\frac{1}{4}$ فٹ لانا قند ہو جائے تو
اس کے لیے بھی یہی ایک ترکیب ہے کہ رات کے $\frac{1}{4}$ بجے نیند سے
بیدار ہو کر خدا سے دعا مانگیں کہ $\frac{1}{4}$ فٹ لانا ہو جائیں۔

حضرات! ان تمام کے باوجود مقرر کی کامیابی کا باعث قدرت
مجھی ہے۔ مشیت جس کو چاہتی ہے یہی قدرت عطا کرتی ہے کہ وہ
خود بخود اس میں ترقی کر سکے مقرر اس وقت تک کامیاب نہیں
ہو سکتا جب تک کہ اس کی فطرت میں روانی نہ ہو زبردستی اور
خواہ مخواہ ہی ذوق پیدا کر لینے سے بھی گو مقرر بن سکتے ہیں مگر وہ
بات نہیں پیدا ہو سکتی جو فطری طور پر کسی مقرر کو عطا کی گئی ہو چنانچہ

غالب کو دیکھئے کہ نظم میں جیسی دماغی قوت فطرتاً موجود تھی وہ شعر میں نہیں تھی اس طرح گو میں تقریر میں تو بہت کچھ افکار خیالات کر سکتا ہوں مگر یہی روانی اور فطری تقاضہ مجھ میں نظم کی تنظیم کے لیے نہیں اب یوں تو اگر آپ کوئی ایک جملہ دے دیں تو اس کو نظم کر کے پیش کر دوں مگر فطری طور پر جو عبور مجھ کو شعر کی تحریر و تقریر میں حاصل ہے وہ نظم میں نہیں لہذا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تقریر یا خطابت میں شوق پیدا کرنے سے پیشتر اپنی فطری روانی کا بھی مطالعہ کر لیں کہ وہ بھی اس طرف مائل ہے یا نہیں ورنہ کامیاب مقرر بننے کا خیال خام ہے مگر یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی محنت سے مقرر بن جائیں مگر فطری تقاضہ پر جو روانی اور خوبی آپ کی تقریر میں پیدا ہو سکتی ہے وہ ذرا محال ہے۔ اب میں اپنی تقریر کے ختم پر طلباء و زعماء کی طرف مخاطب ہو کر ان کے اس نقص کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس وقت میرے مظاہرے میں آ رہے ہیں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کسی طالب علم کے ہاتھ ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا ہے اور پینسل تاکہ اس کی تقریر کی چند سرخیوں کو ایک جامع کر کے اپنے طالب علمانہ ذوق کا سچا اظہار کر سکیں۔ شاید یہ ممکن ہو کہ یہاں کے طلباء اس قدر ذہین اور چالاک ہیں کہ انھیں یادداشتیں

لکھنے کی بھی چندال ضرورت نہیں ہوتی اگر میرا یہ خیال ٹھیک ہو تو
 پرنسپل صاحب کالج کو میں مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نہایت خوش
 نصیب صدر میں جو ایسے ذہین طلباء کی صدارت کا غرور و شرف حاصل کر رہے
 ہیں اگر ایسا نہیں ہے تو طلباء کو ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے مواقع پر جو بار
 بار حاصل نہیں ہوتے ان کے استفادہ سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی
 کوشش کریں کیونکہ طالب علم ہر وقت اور ہر کام میں طالب علم ہے
 خواہ وہ کسی بزرگ کی نصیحتوں کو سن رہا ہو یا خواہ کسی باغ کی سیر کر رہا
 ہو اس کی طالب علمی صرف مدرسہ کی چار دیواری تک ہی محدود نہیں
 ہے بلکہ کائنات کی ہر شے میں اس کے لیے ایک نیا سبق ہے۔ طالب علم
 کا یہ فرض ہے کہ کسی تقریر یا مباحثہ میں شرکت نہ کرے جب تک کہ اس کا
 یہ خیال نہ ہو کہ میں اس تقریر یا مباحثہ کا استفادہ نہ صرف اس
 مجلس کی حد تک حاصل کروں گا بلکہ وہ میری آئندہ زندگی میں طالب علمی
 کا کارنامہ بن جائے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا لَبْلَابُ غ۔

لاکھوں کی پسند

جہناز عفرانی قوام بنانے والوں کی جانب سے ایک نئی پیشکش
عطا تمنا موسم بہار میں کلیوں کو نکھارا اور مچھلیوں کو
 بستی ملتا ہے۔ مچھلی اپنی ہڈی سے انسانی مزاج
 کو شگفتگی دیتے ہیں۔ مچھلی مر جھانے سے پہلے ہی اپنے بچا پنے
 والوں کے دامن مراد کو اپنی خوشبو سے بھر دیتے ہیں وہ خاموش
 ہو کر بھی اپنی خوشبو کی زباں سے گویا ہوتے ہیں ان کی گویائی کی
 صورت میں

تمنا، کالا گلاب، مٹی مون، سپہاگ
 خون جگر، پہاڑی مچھلی
 کے نام اختیار کر لیتے ہیں اور خوشبو پسندوں کی
 مشام جال کو سدا معطر کرتے ہیں
 تیار کر دے۔

حیدر آباد زردہ ورس

روبرو پتھر گئی مسجد حیدر آباد ۲۰۰۰۰۰ (۱۱۵)

تصویر سے زیادہ
خوبصورت
فوٹو کاپی کے لیے
ایک ہی نام

سوپر سٹارک کا پینکٹ سنٹر

(ایئر کنڈیشن)

دیوان دیوڑھی - حیدر آباد

پروپرائیٹرز:- نذیر الدین احمد سابق کونسلر